لہٗ دعوۃ الحق

قرآن وسنّت کی تعلیمات کا علمبردار

ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک

رسالے شمارے میں

★

جلد نمبر ۲ شمارہ نمبر ۵ شوال ۱۳۸۶ھ فروری ۱۹۶۷ء

زرِ سالانہ چھ روپے فی پرچہ ۵۰ پیسے غیر ممالک سالانہ ۱۶ شلنگ

سمیع الحق استاد دارالعلوم حقانیہ طابع و ناشر نے منظور عام پریس پشاور سے چھپوا کر دفتر الحق دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اس وقت ملک میں قحط سالی کے آثار ہیں، خشک سالی اور ضروریاتِ زندگی کی گرانی اور نایابی ایک بھیانک صورت اختیار کر رہی ہے، اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خدانخواستہ ہمارے ترقیاتی، زراعتی اور معاشی منصوبے ناکام ہو رہے ہیں۔ ایسے حالات میں ایک مسلمان اپنے ایمان و یقین کی روشنی میں صرف یہی کہہ سکتا ہے کہ ہماری نظریں وسائلِ معاش کے خالق سے ہٹ گئی ہیں۔ ہمارا بھروسہ ترقیاتی منصوبوں پر ہے، اور ہمارا سہارا صرف وسائل و اسباب ہی پر رہ گیا ہے۔ بلاشبہ ان اسباب کی اپنی جگہ اہمیت ہے۔ اور حسبِ ارشادِ خداوندی خلق لکم ما فی الارض جمیعاً۔ (تمہارے نفع کے لئے خدا نے زمین کا سب کچھ پیدا کیا۔) خدا کی دی ہوئی طاقت و قوت اور وسائل کو کام میں نہ لانا منشارِ قدرت کی خلاف ورزی اور احسانِ تسخیرِ کائنات کی ناشکری ہے۔ مگر اس کے ساتھ یہ حقیقت کسی لمحہ بھی نظروں سے اوجھل نہ ہونی چاہیئے کہ ہماری تمام معاشی اور اقتصادی قوتوں کا سرچشمہ خالقِ کائنات ہی ہے، اور ہم کسی بھی لمحہ اسکے جود و کرم سے بے نیاز نہیں ہو سکتے۔ کہ اسباب کا مسبب اور وسائل کا کارساز وہی ہے —— پس جسطرح کہ ہماری بجلی پاور ہاؤس کے بغیر کچھ بھی نہیں اسی طرح اسکی مرضی اور خوشنودی کے بغیر ہمارے سارے منصوبے، ہماری زراعتی اسکیمیں اور ترقیاتی پنجسالے ہیچ اور بے کار ہیں۔ ایک پانی ہی کو لے لیجیئے اگر وہ بارش نہ برسائے تو زمین میں پانی کے چشمے کہاں سے پھوٹیں۔؟ پھر کون ہوگا جو آپ کیلئے صاف ستھرا پانی لائے۔ (فمن یاتیکم بماءٍ معین) اور جب پانی نہ ہو تو یہ ٹیوب ویل کس کام کے؟ اور اگر دریا خشک ہوں تو ان دیوہیکل ڈیم اور پاور ہاؤسوں کی کیا قدر و قیمت ہوگی۔؟ —— قرآن کہتا ہے کہ نظر مسبب الاسباب پر رکھو، اسباب پر نہیں۔ کیونکہ اسباب میں زندگی وہی ڈالتا ہے۔ زندگی اور ہلاکت کے سب اسباب اسی کی قدرت میں ہیں —— دیکھیئے وہ کتنے صاف اور دو ٹوک الفاظ میں اعلان کر رہا ہے:

امّن ھٰذا الذی یرزقکم ان امسک رزقہ بل لجوا فی عتوٍ و نفور۔	وہ کون ہے جو روزی دے تم کو اگر وہ روزی کے اسباب بند کر دے، کوئی نہیں مگر یہ لوگ اپنی شرارت اور سرکشی پر اڑے ہیں۔

ہمارے رزق و معاش کا حقیقی سامان تو آسمانوں ہی پر ہوتا ہے ——— وفی السماء رزقکم وما توعدون
——— پھر یہ آسمانی خیر و برکت اور خلاق کائنات کی رحمتیں ہماری طرف کیسے متوجہ ہوں ؟ اسکا جواب بھی قرآن حکیم ہمیں ایک برگزیدہ پیغمبر نوح علیہ السلام کی زبانی دے رہا ہے : استغفروا ربکم انہ کان غفاراً یرسل السماء علیکم مدراراً ویمددکم باموال وبنین ویجعل لکم جنّٰت ویجعل لکم انھاراً ——
(پس اے لوگو ! گناہ بخشواؤ اپنے رب سے بیشک وہی ہے بخشنے والا۔ وہ آسمان کی دھاریں تم پر کھول دے گا اور بڑھادے گا تم کو مال اور بیٹوں کے اعتبار سے اور مہیا کر دے گا تمہارے لئے باغات اور نہریں ۔)

خاندانی منصوبہ بندی کے حق میں ایک استدلال ملاحظہ ہو ، جو عرصہ سے ملک کی سب سے اونچی سٹیج سے دہرایا جارہا ہے ———

" برتھ کنٹرول کے مخالفین شرح پیدائش پر کنٹرول کی مخالفت کرتے ہیں ، اور اسے خدائی قانون سے لڑنے کے مترادف قرار دیتے ہیں تو کیا مختلف امراض کیلئے ڈاکٹروں کے پاس جانا خدائی قانون سے لڑنے کے مترادف نہیں ہو سکتا "

——— بظاہر یہ دلیل وزنی معلوم ہوتی ہے ۔ مگر جب اس کا تجزیہ کیا جائے تو ایک عجیب شکل اختیار کر لیتی ہے ۔ اس میں شک نہیں کہ اسلام نے اُن اسباب و تدابیر کے استعمال کا حق دیا ہے جو انسانی آرام و راحت اور فلاح و بہبود کے کام آسکیں ۔ ہمارے لئے ضروری ہے ، کہ بنی نوع انسان کی تکالیف اور بیماریوں کا ازالہ کریں ۔ اسے ٹریفک کے حادثات سے بچانے کیلئے ٹریفک کنٹرول کے ذرائع کام میں لائیں ، وبائی امراض کا انسداد کریں قحط اور گرانی ختم کرنے کے اسباب سوچیں اور برتیں ——— مگر کیا اسباب کے نام سے ہم وہ امور بھی اختیار کر سکتے ہیں جو انسان کے اجتماعی یا انفرادی مفادات پر اثر انداز ہوں ؟ یا جو ہمارے ملی و قومی کردار کو مجروح کریں ۔ کیا ہم ایک شخص کو صرف اس بناء پر قتل یا دنیا میں آنے سے روک سکتے ہیں ، کہ ہمیں اسکو وباء اور دیگر مہلک امراض ، دریا میں ڈوبنے ، آگ میں جلنے سے بچانے کی سعی کا حق حاصل تھا ——— ظاہر ہے کہ جو اسباب نوع انسانی کے حق میں مفید ہیں ۔ (اسکو موثر حقیقی نہ جانتے ہوئے) اس کے استعمال کا حکم تھا ۔ مگر جو اسباب نوع انسانی کے کسی فرد یا طبقہ کے قومی ، سیاسی اور اخلاقی مفادات کیلئے ضرر رساں ہوں گے ، ہمیں اسکی اجازت ہرگز نہیں ۔ اور نصوص و شواہد اور قطعی تجربات سے یہ بات ثابت ہے ۔ کہ خاندانی منصوبہ بندی کی موجودہ ہمہ گیر تحریکی شکل کسی قوم کے اخلاقی دیوالیہ اور ملی خودکشی کا سبب بن سکتی ہے ۔ جب کہ کثرت نسل اجتماعی ، فوجی اور اقتصادی لحاظ سے ملت مسلمہ

کیلئے قوت کا باعث ہے۔ ہمیں اس "طبی موت" اور قومی خودکشی کا حق اس وجہ سے نہیں پہنچ سکتا، کہ ہم افراد کی شرح اموات گھٹانے کے مجاز ہیں۔ اس دلیل کے منطقی تجزیہ کے بعد یہی کہا جاسکتا ہے۔ کہ ہمیں تحدید نسل اور قومی خودکشی کا اس وجہ سے حق حاصل ہے کہ ہم انسان کو مرنے سے بچانے کی تدابیر اختیار کر سکتے ہیں، یا ہم قومی پیمانہ پر شرح اموات بڑھا سکتے ہیں، کیونکہ ہمیں افراد کی شرح اموات گھٹانے کی اجازت ہے۔ اس صورت میں یہ استدلال کتنا مضحکہ خیز ہوگا — انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ایک ثقہ معاصر راوی ہے، کہ برطانیہ کے شہرۂ آفاق علمی واستشراقی ششماہی مجلہ بلیٹن آف دی سکول آف اورنٹیل اینڈ افریکن اسٹڈیز کے ج ۲۹ (۱۹۶۶ء حصہ دوم) کے صفحہ ۳۹۴، ۳۹۵ پر ادارہ تحقیقات اسلامیہ پاکستان کے ڈائریکٹر ڈاکٹر فضل الرحمٰن کی انگریزی کتاب [ISLAMIC METHODOLOGY IN HISTORY] پر ایک تبصرہ شائع ہوا ہے۔ اور یہ تبصرہ کولمبیا یونیورسٹی کے نامور پروفیسر شاخت (SCHAUGHT) کے قلم سے ہے۔ کتاب میں اجتہاد وسنت اور اجماع ایسے مسائل کو زیر بحث لایا گیا ہے۔ اور یہی وہ مسائل ہیں جن پر ہمارے یہ استشراق زدہ ماڈرنائیز محققین اپنی ساری عمارت اٹھانا چاہتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے اس کتاب میں شریعت اسلامی کے ماخذ کی ارتقائی تاریخ بیان کرتے ہوئے کوشش کی ہے کہ قدیم اسلام کی مطابقت جدید حالات سے پیدا کی جائے اور قدیم اور راسخ العقیدہ طبقہ سے اپنی جدید تحقیقات کسی حد تک تو تسلیم کرائی جائیں — یہاں ہمیں ان مسائل ونظریات سے بحث نہیں۔ اس کا کچھ نہ کچھ ذکر الحق کے صفحات پر آتا رہتا ہے، قابل توجہ وہ تحسین وآفرین ہے، جو کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے ایک غیر مسلم، ایک متعصب اور غالباً ایک یہودی پروفیسر نے مؤلف کتاب کی بارگاہ میں پیش کی ہے۔ اسلام کے مایہ ناز متدین مخلص محقق علماء، محدث، داعی اور خداترس راسخ العقیدہ مسلمان لاکھ چیخیں چلائیں ڈاکٹر صاحب اور انکے حواریین کو اس سے کیا؟ کہ یہ تو راسخ العقیدہ گروہ اور حالات سے آنکھیں بند کرنے والوں کا ایک "انبوہ" ہے۔ ڈاکٹر صاحب کے لئے تو یہی خوشی کافی ہے کہ ان کی واد وستائش کے چرچے میکگل یونیورسٹی اور کولمبیا کے پروفیسروں میں ہو رہے ہیں، وہ پروفیسر جو بقول ڈاکٹر صاحب سائنٹفک طریقہ تحقیق" اور "جدید تجزیاتی وتنقیدی انداز فکر" میں ان کے امام ہیں، جس کے بغیر "تعمیری اسلامی تحقیق" کا کام ہو ہی نہیں سکتا۔ پروفیسر شاخت کی اس مدح سرائی کا حال سن کر قرآن کریم کی اس آیت پر ہمارا ایمان اور بھی مضبوط ہو گیا ہے، جس میں خداوند تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ: ولن ترضیٰ عنک الیہود ولا النصاریٰ حتیٰ تتبع ملتھم۔ (اور یہ یہود ونصاریٰ آپ سے ہرگز ہرگز راضی نہ ہوں گے جب تک کہ آپ پوری طرح ان کی ملت کے پیرو نہ بن جائیں۔) صدق اللہ العظیم

— واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل۔

سمیع الحق

قرآن کریم سے مجرمانہ غفلت پر ہمارے محترم مولانا قاضی عبدالکریم صاحب کلاچی کا حسب ذیل بصیرت افروز مضمون اس قابل ہے کہ الگ مضمون کی شکل دینے کی بجائے اسے نقش آغاز ہی میں شامل کردیا جائے۔۔۔۔۔

۔۔۔۔۔ ایک زمانہ تھا جبکہ مسلمان قرآن کریم کی ہر قسم کی خدمت کو سرمایۂ سعادت سمجھتا رہا۔ اسکی تلاوت سے اس کے کام و دہن کو شیرینی ملتی تھی۔ اس میں تفکر و تدبر کو وہ اپنے ذہن اور قلب کیلئے ذریعۂ قرار و سکون پاتا تھا، اور اس کے سننے میں لطف و سرور محسوس کرتا تھا۔۔۔۔۔ شاہجہاں بادشاہ نے ایک قاری سے چند آیتیں سنیں تو پورا گاؤں انعام میں دیدیا۔۔۔۔۔ خواجہ فریدالدین شکر گنج رحمۃ اللہ علیہ کے خدام میں سے بعض حضرات روزانہ چار چار ختم قرآن مجید کا معمول رکھتے تھے۔۔۔۔۔ مولانا گیلانی مرحوم نے غالباً نظام تعلیم و تربیت ہی میں لکھا ہے۔ کہ محمد تغلق مرحوم کے محل سرائے میں ایک ہزار کنیز وہ تھیں جنہیں قرآن مجید یاد تھا۔۔۔۔۔

واقعہ یہ ہے کہ ہمارے اسلاف رحمہم اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے ایک ایک لفظ اور ایک ایک حرف کی حفاظت کو اپنا سب سے اہم فریضہ قرار دے لیا تھا۔ قرأت سبعہ متواترہ کو بہ اہتمام تام محفوظ رکھا۔۔۔۔۔ حضرت عاصم کوفی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق بتایا گیا ہے کہ آپ حفاظت قرآن کریم کیلئے اس حد تک کمربستہ رہے، کہ چالیس سال تک آپ کیلئے بستر تک نہیں بچھایا گیا، اور اس تمام عرصہ میں رات کو استراحت کیلئے زمین سے پیٹھ نہیں لگائی۔۔۔۔۔ تیس سال تک روزانہ قرآن مجید کا پورا ختم کرتے رہے۔۔۔۔۔ دم وصال آپ کی ہمشیرہ رونے لگیں تو فرمایا: "غم نہ کرو تیرے بھائی" یعنی خود میں نے "اس مکان کے اس گوشہ میں دو چار نہیں اٹھارہ ہزار ختم قرآن مجید کئے۔ مطلب یہ تھا کہ سفر اگرچہ طویل و ہویل ہے، مگر میں جب اتنا ساز و سامان ساتھ لئے جا رہا ہوں تو پھر رونے کی کیا بات ہے۔ یہی حال دیگر قراء عظام اور ان کے ارشد تلامذہ کا رہا۔۔۔۔۔

نہ صرف الفاظ بلکہ ان کی ادا۔ تک کو محفوظ رکھنے کی سعی میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی گئی تھی۔۔۔۔۔ صاحب اتقان نے ذیل کی روایت کو ذکر کرکے فرمایا ہے، ورجالہ ثقات "سند اس کی صحیح اور مضبوط ہے۔"

روایت یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے کسی نے آیت انما الصدقات للفقراء کی تلاوت کی اور اسطرح کہ لفظ فقرآء کو مد کے ساتھ نہیں پڑھا تو آپ نے سختی سے تنبیہ کی اور فرمایا ماھکذا اقرأنیھا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم۔۔۔۔۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ایسا نہیں پڑھایا۔ انہوں نے دریافت کیا کہ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسطرح پڑھایا۔ تو آپ نے الفقرآء پر مد کو خوب

ظاہر کرکے فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح پڑھایا ——

سوچنے کی بات ہے کہ جب الفاظ قرآنی کی ادا تک کے سیکھنے کی خود صاحب لسان خالص عرب لوگوں کو بھی اللہ کے نبی سے سیکھنے کی ضرورت تھی۔ تو یہ کتنا بڑا الحاد اور زندقہ ہے کہ مطالب قرآنی اور معانی فرقانی کے سمجھنے میں اپنے آپ کو تعلیم وتبیین نبوت سے بے نیاز سمجھا جاوے۔

یہ تو دورِ سعادت کے صرف چند واقعات تھے۔ جو کہ بطور نمونہ عرض کر دیئے گئے۔ آخری دور تک بھی مسلمان اس نعمت سے محروم نہیں رہا۔ حضرت مولانا زکریا صاحب شیخ الحدیث سہارنپوری اپنے والد ماجدؒ کے متعلق لکھتے ہیں کہ جب ان کا دودھ چھڑایا گیا تو پاؤ پارہ قرآن مجید یاد تھا۔ (حکایات صحابہؓ)

شیخ التبلیغ حضرت مولانا محمد الیاسؒ کی والدہ ماجدہ کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ گھر کے کام کاج اور دیگر اوراد و وظائف کے ساتھ ساتھ ماہِ رمضان المبارک میں چالیس ختم قرآن کے کیا کرتی تھیں۔ (ملفوظات) —— خود ہمارے ہاں کے ایک بزرگ جناب کرم شاہ صاحب مرحوم کے متعلق خاندانی روایات کے مطابق مشہور ہے کہ انہوں نے قرآن مجید کے ایک لاکھ ختم کئے تھے۔ کثرتِ تلاوت سے یہاں تک زبان جاری ہوگئی تھی کہ قضاء حاجت کے وقت زبان کو پکڑنا پڑتا تھا، تاکہ اس حالت میں زبانی تلاوت سے بے ادبی نہ ہو —— موصوف مرحوم کی قبر ہمارے شہر کلاچی کے ایک شرقی قبرستان میں واقع ہے، جو مشہور ہی قبرستان حافظ کرم شاہ کے ساتھ ہے ——

لیکن اب گردشِ ایام نے یہ منحوس دن بھی دکھائے کہ حسبِ روایت الحق اکوڑہ خٹک وائس چانسلر پشاور یونیورسٹی چوہدری محمد علی کا بیان ہے۔ کہ اس مرتبہ یونیورسٹی کے ٹیچر ٹریننگ سنٹر میں داخلہ لینے کیلئے جتنے مرد اور خاتون امیدوار آئے ان میں سے ایک کو بھی قرآن مجید کا پڑھنا نہیں آتا تھا۔ —— یہ ہمارے تعلیم یافتہ حضرات کی حالت ہے، ان پڑھ عوام کا تو کیا کہنا ——

صاحبِ قرآن صلی اللہ علیہ وسلم سے دورِ حاضر کے مسلمان کی وابستگی معلوم کرنا ہو تو کوہستان راولپنڈی ۸ر نومبر ۱۹۶۲ء کی اشاعت کا مطالعہ فرمائیے —— لکھتے ہیں: کراچی ایم۔ اے کے طلباء نے سیرتِ نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیہ پہ جو کچھ لکھا اس میں یہ بھی پایا گیا۔ کہ:

> حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کے ایک بہت بڑے لینڈ لارڈ کے گھر پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم مکہ کے ہائی سکول میں حاصل کی اور بعد ازاں اعلیٰ تعلیم کے لئے کیمبرج یونیورسٹی لندن چلے گئے۔

اناللہ وانا الیہ راجعون —— یہ پاک ملک کے ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ جسے کل ڈی سی، یا وزیر تعلیم بلکہ اسلامی

کے وزیر قانون بن جانے کا بھی امکان ہے، کی دینی معلومات ہیں۔ جس ماحول میں اسکی تعلیم و تربیت ہوئی اس کے اثرات سے اس کے عقیدہ میں نبی کا اللہ کے سوا کسی کا شاگرد ہونا بھی جائز ہے۔ اور سب سے بڑا اعزاز جو وہ اپنے پیارے نبی کو دے سکتا تھا، اس کے نزدیک کسی لینڈ لارڈ کے گھر میں پیدا ہونا تھا، اور وہ قدر و منزلت کا اعلیٰ معیار ہائی سکول اور پھر لندن کی کیمبرج یونیورسٹی کو ہی سمجھ رہا ہے۔ سچ کہا تھا اقبالؒ مرحوم نے ؎

گرچہ مکتب کا جواں زندہ نظر آتا ہے مردہ ہے مانگ کے لایا ہے فرنگی سے نفس

لیکن کیا فرنگی کے چلے جانے کے بعد بھی مکتب کے جواں کی زندگی نما موت پورے ملک کی رسوائی نہیں۔؟

کوہستان نے یہ بھی لکھا ہے۔ کہ پشاور یونیورسٹی کے صدر شعبہ اسلامیات کے حسب روایت بی۔ اے کا امتحان پانصد لڑکوں نے دیا، اسلامی ارکان کے بارے میں پوچھا گیا تو ایک صاحبزادے نے لکھا کہ وہ چار ہیں قرآن، انجیل، تورات اور مہابھارت ۔۔۔

سنا آپ نے اسلام کے ستون چار ہیں جن پر ہمارے ایک معمار ملک کے عقیدہ میں اسلام کی عمارت اٹھائی گئی ہے، اور وہ ہیں قرآن، انجیل، تورات اور مہابھارت۔

دینیات کی تعلیم لازمی قرار دی گئی ہے۔ تعلیمی ترقی پر ۲۹ کروڑ روپیہ خرچ کیا جائے گا، کے خوش کن اور فریب افزا اعلانات کے ساتھ ساتھ جب دین و قرآن اور صاحب قرآن علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ یہ تمسخر اور استہزا روا رکھا جا رہا ہو تو اس ملک کا انجام کیا ہوگا۔ یہ بلاشبہ ایک لرزا دینے والا بھیانک تصور ہے، کیا ہمیں ادنیٰ سے تغیر کے ساتھ درج ذیل شعر اپنے با اختیار اور ذمہ دار اقتدار صاحب صدر کی خدمت میں پیش کرنے کی اجازت دی جائیگی کہ ؎

اے صدر ملک کیا کہیں پوچھے اگر کوئی کشتی یہ ڈوبتی ہوئی کس ناخدا کی ہے

کالج میں اسلامیات کی پروفیسری کیلئے قریبی ہی دنوں میں پشاور میں انٹرویو ہوا، تو ایک ثقہ راوی جو کہ جامعہ اسلامیہ بہاولپور کے فاضل اور شریک انٹرویو تھے، کا بیان ہے کہ کئی امیدواروں سے صرف دعائے قنوت سنی گئی، کسی سے نماز جنازہ کی ترکیب پوچھی گئی اور بعض سے آمنت باللہ کی تلاوت کرائی گئی۔ یعنی جو صاحب ان مشکل ترین سوالات کا جواب دے سکے وہ کالج میں اسلامیات کا پروفیسر بننے کی صلاحیت رکھتا ہے، اور بہت ممکن ہے کل کو وہ ادارۂ تحقیقات اسلامیہ کا بہترین مشیر بلکہ مستند رکن بھی بن سکے۔

اس پر بس نہیں بلکہ ایم اے اسلامیات کے امتحان میں نمایاں کامیابی حاصل کرنے پر چھ سو روپیہ

انعام پانے والے "مجتہدِ اعظم" ایک فاضلِ دارالعلوم دیوبند سے یہ پوچھتے پھرتے ہیں کہ صحاحِ ستہ میں جو کتابیں شمار ہوتی ہیں ان کے نام کیا ہیں ——— اسلام اسلام کی رٹ لگا کر دنیا کو فریب دینا آسان ہے۔ لیکن جب آنکھیں کھلیں گی تو پتہ چلے گا کہ ع

بایں خدا تزویر وحیلہ کے رواست

امام شافعیؒ جیسا متبحر عالم اور مجسم تقویٰ بزرگ فرماتے ہیں مجھے ایک مسئلہ مستنبط کرنے کی قرآنِ کریم سے ضرورت ہوئی تو تین سو بار پورے قرآن مجید کو بار بار پڑھنے کی نوبت آئی تب جا کر کہیں مسئلہ کھلا ——— لیکن آج مجموعہ قوانینِ اسلام کے مرتب کی عربی دانی کا یہ عالم ہے، کہ بقول ماہنامہ بیّنات کراچی وہ قرنین بروزن کونین تثنیہ قر، یعنی حیض یا طہر کو قرائن جمع قرینہ سمجھ رہا ہے ——— اور دین یعنی مذہب وتدین کو دَین بالفتح یعنی قرض کے سمجھ کر اپنی استدلال کی عمارت اٹھاتا ہے، اور کل کو اسی کا مجموعہ قوانینِ اسلام مستند فقہ اسلامی تصور ہوگا ——— اور اسے شامی عالمگیری بدائع فتح القدیر اور بحر الرائق کے مقابلہ میں پیش کیا جائے گا ——— ع

وائے گر در پس امروز بود فردائے

کیا دینی راہنما یہ سمجھتے ہیں کہ یہ تحریفی فتنے جن کی بنیادیں اب نہایت گہری ہوتی جا رہی ہیں ہماری چند پر زور قرار دادوں سے ختم ہو جاویں گے، اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر انہیں سوچنا چاہیئے کہ کسی لائحہ عمل کو بروئے کار لانے کیلئے تاخیر در تاخیر کیا عملی مداہنت نہیں؟ ؎

گوئے میدان سعادت درمیاں افگندہ اند کس بمیداں در نمی آید سواراں راچہ شد

اصلاح وتزکیہ نفس

ازارشادات شیخ طریقت مولانا عبدالغفور صاحب عباسی مدظلہٗ
مہاجر مدینہ طیبہ

ضبط :- مولانا شیر علی شاہ مدرس دارالعلوم حقانیہ

انسان کا مقصدِ حیات

دوسری قسط

آنکھیں اس لئے نہیں دی ہیں کہ ان سے اجنبی عورتوں کی طرف دیکھو۔ حدیث شریف میں ہے : العینان تزنیان وزناھما النظر۔ حضورؐ کا ارشاد ہے کہ اگر کوئی آنکھوں سے اجنبی عورت کو دیکھتا ہے تو وہ آنکھوں کے زنا کا مرتکب بن جاتا ہے۔ آج کل یہ فتنہ بہت عام ہو گیا ہے۔ عورتیں بازاروں میں ننگے سر پھرتی ہیں۔ مسلمانوں میں حیائے ایمانی اور غیرت ایمانی باقی نہیں رہی۔ اللہ تعالیٰ ہم کو ان نعمتوں کی شکر گذاری کی سعادت بخشے۔

شکر نعمتہائے تو چنداں کہ نعمتہائے تو ‏ عذر تقصیرات ما چنداں کہ تقصیرات ما

خالق لایزال نے ہمیں وجود دیا۔ اعضاء، جسم، روح، لباس، یہ تمام نعمتیں ہیں۔ کھانے کے لئے مختلف چیزیں پیدا فرمائیں۔ ہر قسم کے پھل دئے۔ پھر بھی ہم غفلت اور معصیت میں زندگی بسر کر رہے ہیں۔ نہ نماز ہے، نہ روزہ۔ اور سرمایہ دار نہ زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔ اور نہ فریضۂ حج۔ مادیات کی طرف دوڑ ہے۔ حیوانیت ہے، شہوت رانی اور نظر بازی کا دور ہے — اب بھی توبہ کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔ اصلاحِ نفس کا موقعہ اب بھی ہے۔ خدانخواستہ اگر سورج مغرب کی طرف سے طلوع ہو جائے یا موت آجائے اور توبہ نصیب نہ ہو تو پھر کیا کرسکوگے۔ خسر الدنیا والآخرۃ ذٰلک ھو الخسران المبین — دنیا بھی پریشانیوں میں گذری اور آخرت میں خسارہ ہی خسارہ رہے گا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو نیک بنائے۔ اور ہم سب سے راضی ہو جائے۔ اور اس فانی دنیا کی محبت ہمارے دلوں سے نکال دے۔ اس دنیا سے جب سردارِ دوجہاں تشریف لے گئے، تو اور کون ہے جسکو اس میں ہمیشہ کے لئے زندہ رہنا ہوگا۔ ہم سب یہاں سے جائیں گے۔ اور عالم آخرت جو ہمارے لئے اصلی مقام ہے، وہاں جانا ہوگا۔ وہاں کے لئے اعمالِ صالحہ کا سرمایہ فراہم کرلو۔ اب وقت کافی گذر گیا ہے۔ جو حضرات بیعت کرنا چاہیں اب وہ

آگے آجائیں۔ میں یہاں صرف دو دن رہوں گا، پھر مدینہ منورہ چلا جاؤں گا۔

بیعت کی حقیقت

یہ بیعت جو اللہ والوں کے ہاتھ پر کی جاتی ہے، بیعت علی التوبہ ہے۔ میں ان لوگوں کو بیعت کرتا ہوں جو خلوص دل سے تمام گناہوں سے توبہ کرتے ہیں۔ بے حیائی، شراب نوشی، ناچ گانے، سینما، سگریٹ نوشی، نکٹائی وغیرہ سب چھوڑنی ہوں گی۔ طریقت جال ہے لوگوں کو پھنسانے کے لئے تاکہ طریقت کے ذریعہ لوگوں کو شریعت کیطرف لایا جاسکے۔ اصل چیز شریعت ہے۔ الخیر کلہ فی اتباع محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ اللہ تعالٰی نے ہمیں حضورؐ کی غلامی میں رکھے اور ذکر الٰہی کے نور اور اتباع محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کے نور سے ہمارے دلوں کو روشن فرمادے۔ طریقت طریق الی الشرع ہے۔ بزرگانِ دین طریقت کی طرف اس لئے توجہ دیتے ہیں، کہ طریقت کی وجہ سے شریعت مقتضائے طبیعت بن جاتی ہے۔ عارف کامل حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا، کہ شریعت اور طریقت میں کیا فرق ہے۔ تو فرمایا کہ شریعت اور طریقت میں مخدومیت اور خادمیت کا فرق ہے۔ شریعت مخدوم ہے۔ اور طریقت خادم ہے۔ طریقت اس لئے ہے کہ لوگوں کو شریعت کا تابعدار بنایا جائے۔

علم، عمل، اخلاص

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ شریعت کے تین اجزاء ہیں۔ ۱۔ علم احکام دین ۲۔ عمل ۳۔ اخلاص اگر یہ تین مکمل ہوئے تو شریعت مکمل ہے ورنہ ناقص۔ علم ہے اور عمل نہیں تو یہ علم ناقص علم ہے۔ عمل ہے، مگر اخلاص نہیں تو یہ عمل ناقص ہے۔ علم کے لئے روح ہے عمل۔ اور عمل کے لئے روح ہے اخلاص۔ جسطرح جسم کی تروتازگی اور نشو و نما روح کی بدولت ہے۔ اس طرح علم کی تازگی عمل سے ہے اور عمل کی سرسبزی اور شادابی روحِ اخلاص کی بدولت ہے۔ العلم روح الروح وہ مشعل الطریق وصفۃ اللہ والمراد من العلم ما صدر من مشکوٰۃ سیدنا صلی اللہ علیہ وسلم بنقل صحیح لا علم الفلسفۃ والمنطق اعنی علم الکتاب المجید وسنۃ النبیؐ۔ قرآن مجید وحی جلی ہے۔ ۲۳ برس میں نازل ہوا ہے۔ حدیث وحی خفی ہے۔ فقہ و اصول فقہ ان دونوں سے ماخوذ ہیں۔ مولانائے روم فرماتے ہیں۔ ؎

علم دین فقہ است تفسیر و حدیث ہر کہ خواند جز ازیں گردد خبیث

صرف نحو قرآن و حدیث کے خادم ہیں، منطق وغیرہ علوم آلیہ ہیں۔ ان کا حصول من حیث المرآۃ والآلہ درست ہے۔ مگر زندگی اس کے لئے وقف کرنی مناسب نہیں۔ والعمل روح العلم والعلم حیوۃ والجھل موۃ العلم بلا عمل کشجر بلا ثمر۔ علم ہو اور عمل نہ ہو تو گویا بے میوہ درخت ہے۔ والعمل بلا اخلاص

وصعاد النیة کنفو بلا ماء - عمل ہے ۔ مگر خلوص ، وللہیت نہیں تو عمل بے کار ہے ۔ جیسے خشک نالہ ۔ عمل سے مقصد اگر شہرت و ریاء ہو تو الٹا وبال و عذاب ہے ۔ الاخلاص سرّ من اسرار اللّٰہ ۔ اخلاص فیضانِ الٰہی ہے جس کے دل میں چاہے ڈال دے ۔ تو گویا اخلاص روح الاعمال ہے ۔ اور بزرگوں نے لکھا ہے کہ اخلاص کے لئے بھی روح ہے ۔ اور وہ عدم رؤیۃ الاخلاص فی اخلاصہ ۔ للہیت اور خلوصِ نیت اس حد تک پہنچ جائے کہ سالک کو اپنے خلوص میں خلوص نظر نہ آئے ۔ یہ وجہ ہے کہ مقربین باوجود کمالِ قرب کے ما عرفناک حق معرفتک اور ما عبدناک حق عبادتک کی فریاد کرتے ہیں اور اپنے وجود کو عدم سمجھتے ہیں ۔ اور کہتے ہیں کہ کمالات عطا الٰہی سے ہیں ۔ کمالات کی نسبت ذاتِ حق کی طرف کرتے ہیں ۔ تو اس مقام کو جب سالک پہنچ جاتا ہے تو نفس مر جاتا ہے ۔ نفسانیت مٹ جاتی ہے ۔ تب گوہر مراد حاصل ہو جاتا ہے ۔ ؎

خاک شو خاک تا بروید گل کہ بجز خاک نیست مظہر گل

فنائے نفس کمال ہے ۔ نفس مر جائے تو تمام گناہوں سے انسان بچ جاتا ہے ۔ مثلاً ایک شخص بخیل ہے مال و زر کا شیدائی ہے ۔ بخل کی وجہ سے زکوٰۃ نہیں دیتا ۔ والدین کے حقوق بجا نہیں لاتا ۔ صدقہ و خیرات نہیں کرتا ، قرضے ادا نہیں کرتا ۔ امانتوں میں خیانت کرتا رہتا ہے ۔ بخل کی یہ صفت نفسانیت سے پیدا ہوئی تھی ، نفس نہ رہا تو صفت کہاں رہی ۔۔۔۔۔ تو میں عرض کر رہا تھا کہ شریعتؒ علم الاحکام کا نام ہے اور طریقتؒ علم الاحکام پر عمل کرنے کا نام ہے ۔ اور حقیقتؒ عمل میں اخلاص پیدا ہونے کا نام ہے اور اخلاص کا نتیجہ مشاہدۂ حق ہے ۔ جس کا ذکر حدیث جبرئیلؑ میں مبارک زبانِ نبوت نے ان الفاظ میں کیا ہے :

ان تعبد اللّٰہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک

تم خدا کی ایسی عبادت کرو گویا تم اس کو دیکھ رہے ہو ۔ یہ مقام مشاہدہ ہے ۔ کیونکہ آنکھوں سے دنیا میں اللہ تعالیٰ کو کوئی بھی نہیں دیکھ سکتا ۔ پھر آخرت میں آنکھوں کی بینائی میں اللہ تعالیٰ قوت بخشیں گے تو وہاں دیدار خداوندی کا شرف نصیب ہوگا ۔ سالک اور متقی کو تقویٰ کے انوار سے باطنی صفائی نصیب ہو جاتی ہے ۔ تو اسکو معلوم ہوتا ہے کہ میں عبد ذلیل ہوں ، ربّ جلیل کے سامنے کھڑا ہوں ، تو وہ مراقبہ کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں دیکھ رہا ہے ۔ یعنی اگر مقام مشاہدہ نہ ہو سکے ، تو مقام مراقبہ تو ہو ۔ اگر ایک آدمی اس خیال سے نماز درست پڑھتا ہے کہ مجھے استاد دیکھ رہا ہے ۔ اگر نماز غلط پڑھوں تو استاد ڈانٹے گا ۔ یا لوگ ہنسیں گے تو وہ پوری احتیاط سے نماز پڑھتا ہے ۔ تو جب بندہ کے ڈر سے یہ حالت پیدا ہوتی ہے ، تو معبودِ حقیقی کے مشاہدہ و مراقبہ کے عالم میں کتنی خشوع و خضوع پیدا ہوگی اور عبادت کی اصل حلاوت محسوس

ہو جائے گی اور یہی وجہ ہے۔ کہ پھر صوفیار دنیا و مافیہا سے غافل ہو جاتے ہیں۔
اهل الله فی لیلهم الذّ من اهل اللهو فی لهوهم ۔ اہل اللہ رات کے اشغال سے اہل عیش سے زیادہ لذت پاتے ہیں۔

ہمارے سلسلہ کے بزرگ حضرت شاہ غلام علی رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے مرید نواب امیر خان نے تین ہزار روپیہ کا تھیلا پیش کیا اور کہا کہ حضرت اس حقیر رقم کو قبول فرمائیے تو شاہ صاحب نے انکار کیا اور لکھا ؎

با میر خان بگو کہ روزی مقدر است ما بروئے فقر و قناعت نمے بریم

پھر اس نے کہا کہ اس کو اپنے مریدوں میں تقسیم کر دو تو شاہ صاحب نے جواب دیا کہ میں اپنے مریدوں کو دنیا کی مذمت بیان کرتا رہتا ہوں اور ان کو قناعت زہد عن الدنیا سکھاتا ہوں تو کسطرح ان کو دنیا دار بنا دوں پھر کہا کہ غریبوں میں تقسیم کر دو۔ جواب دیا کہ میں آپ کا خزانچی تھوڑا ہوں ؎

غم دین خور کہ غم غم دین است ہمہ غمہا فرو تر از یں است

جو فکرِ حق میں لگا رہتا ہے، اس کے تمام ضروریات اللہ تعالیٰ پورا فرماتا ہے اور جو دنیا کے طالب بن گئے ہیں۔ ان کا کوئی کام بھی پایۂ تکمیل تک نہیں پہنچا۔ ایک کارخانہ بنایا تو پھر دوسرے کے فکر میں لگ گئے ؎

فکر ما در کارِ ما آزار ما کارساز ما باز کار ما

بعض کہتے ہیں۔۔ کارساز ما بفکر کار ما ۔۔ مگر یہ درست نہیں۔ فکر کی نسبت اللہ تعالیٰ کو صحیح نہیں۔ کیونکہ فکر نظر ہے اور نظر میں ترتیب امور معلومہ ہے اور اس سے ذاتِ حق منزہ ہے ۔۔۔ ہمیں تو ذکرِ حق، فکرِ حق اور رضائے حق میں مشغول رہنا چاہیئے۔ دنیا کے کام اللہ تعالیٰ ہمارے لئے پورا فرمائے گا۔ ومن یتق الله یجعل له مخرجا ویرزقه من حیث لا یحتسب ۔ جو لوگ تقویٰ اختیار کر لیتے ہیں تو ان کے کام اللہ تعالیٰ پورا فرماتا ہے اور غیب سے ان کی روزی کا انتظام فرماتا ہے۔

جو تقویٰ کا تعویذ گلے میں ڈالے گا۔ اسکو غیبی رزق نصیب ہوگا۔ رزق آدمی کی تلاش میں گھومتا پھرتا ہے۔ ہمیں تو ایمان اور عمل صالح کا حکم ہے۔ دولت و زر کمانے میں رات دن مصروف ہونا کس کا حکم ہے۔ مسلمان کا کام ہے نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج اور حضورؐ کے بتائے ہوئے راستہ پر چلنا ۔۔۔ دینِ الٰہی مکمل ہے، اس میں کسی قسم کی کمی نہیں ہے۔ اس میں نہ ترمیم کی گنجائش ہے اور نہ اضافے کی ضرورت۔ الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا ۔ دین کے علاوہ کسی دوسرے قانون کے پیچھے جانا حماقت ہے۔ حضورؐ کی شفقت و محبت حد سے زیادہ ہے وہ ہمارے لئے قیامت کے ہولناک دن میں شفاعت کریں گے۔ ارے ہم کس کے ہیں اور کس کے پاس جا رہے ہیں، ہم نے کس کی صورت

سیرت اختیار کر رکھی ہے۔ کہتے ہیں کہ حضورؐ کے امتی ہیں اور کام کرتے ہیں حضورؐ کے دشمنوں کا ۔۔۔ یہ کیسی غلامی ہے۔ غلامی تو تعمیل حکم کو کہتے ہیں۔ مجھے بہت دکھ ہو رہا ہے۔ کہ مسلمان اپنے بچوں کو لندن بھیجتے ہیں۔ لندن سے واپس آکر بچہ نہ اپنے لئے کسی کام کا بنتا ہے، اور نہ ماں باپ کے لئے ۔۔۔ مسلمان کا کام تو یہ ہے کہ وہ خود بھی اور اپنے بچوں کو رحمت للعالمینؐ کی تعلیمات سے آگاہ کرے ۔۔۔ میں نے اپنا بچہ قرآن کریم کی تعلیم پر لگا دیا ہے۔ میں جانتا ہوں کہ میرا فائدہ اسی میں رہے گا۔ آجکل کے بعض پیر مریدوں کی رعایت کرتے ہیں۔ ان کو سگریٹ سے منع کرتے ہیں، نہ ڈاڑھی منڈھانے سے اور نہ نکٹائی لگانے اور سینما بینی سے منع کرتے ہیں۔ حالانکہ ہمارے مقتدا اور پیشوا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرض منصبی تبلیغ ہے۔ حضورؐ فرماتے ہیں۔ من رأی منکم منکراً فلیغیرہ بیدہ فان لم یستطع فبلسانہ وان لم یستطع فبقلبہ وذلک اضعف الایمان۔ برائی کو ہاتھ سے منع کرو اگر ہاتھ سے منع کرنے کی طاقت نہ ہو تو زبان سے منع کرو اور اگر زبان سے بھی کہنے کی طاقت نہیں تو کم از کم برائی کرنے والے سے دلی عداوت رکھو۔ افسوس کہ ان پیروں کا منتہائے نظر نذر و نیاز پر ہوتا ہے۔ حصول زر اور جلب زر جس کا مقصود ہو وہ کبھی بھی حق نہیں بیان کر سکتا۔ بحمد اللہ۔ اللہ کا شکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس مدنی مسکین سے یہ کام لے لیا ہے۔ کہ ہزاروں مسلمانوں کی گردنوں سے نکٹائی کا طوق نکال دیا ہے۔ نکٹائی تو نصاریٰ کا شعار ہے وہ نکٹائی صلیبی نشان سمجھتے ہیں۔ جو نکٹائی گلے میں ڈالے تو ایک چھوٹا سا بت بھی گلے میں ڈال دے۔ مجھے تو خطرہ ہے کہ جو لوگ نکٹائی گلے میں ڈالتے ہیں ان کا آخری خاتمہ کفر کے ساتھ نہ ہو جائے اور قیامت کے دن کہیں اللہ تعالیٰ یہ نہ فرمائے کہ چلو نصاریٰ میں شامل ہو جاؤ ۔۔۔ سگریٹ، حقہ، اور سینما بینی وغیرہ سے منع کر دیا ہے۔ یہ محض اللہ کا فضل ہے۔ میرا کمال نہیں، وہ چاہے تو چیونٹی سے بھی دین کی حفاظت کا کام لے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں راست گوئی اور حق گوئی کی توفیق بخشے۔ ان اولیاءہ الا المتقون۔ جتنی پرہیزگاری زیادہ ہوگی اتنی ولایت میں ترقی و کمال ہوگا۔ علماء نقشبندی فرماتے ہیں کشف را بکفش زن۔ خداوندا مقصود من توئی لا ھذہ الکیفیات ۔۔۔ کبھی یہ کشف بھی حجاب بن جاتا ہے۔ حجاب دو قسم کا ہے۔ ایک حجاب ظلمانی ہے اور ایک حجاب نورانی ہے۔ اصل طالب مولیٰ ہے ۔۔۔ بعض لوگ انتظار کرتے ہیں، کہتے ہیں کہ چلو بڑھاپے میں توبہ کر لیں گے۔ اب اگر بیعت کریں تو ڈاڑھی رکھنی ہوگی۔ لذتوں سے ہمیں منع کر دیا جائے گا۔ ھلک المسوفون سوف سوف کرنے والے ہلاکت میں ہیں۔ جو یہ سوچتے ہیں کہ آئندہ توبہ کریں گے، ان کو کیا علم ہے کہ کل تک زندہ رہیں گے یا نہ۔ حضرت نے فرمایا ہے کہ ایک دن وہ ہے کہ جو گذرا وہ تو ہاتھ نہیں آتا۔ اور ایک آنیوالا

(باقی ص۳۰ پر)

حضرت مولانا محمد یوسف صاحب۔ احیاء العلوم۔ ماموں کانجن ضلع لائل پور
رکن اعزازی المحدث

ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی کا

ماڈرن اسلام

قسط ۳

ایک نظر میں

۳۶۔ اکثر و بیشتر کا گورکھ دھندا | ہم نے یہاں لفظ "بیشتر" اور پہلے "اکثر و بیشتر" استعمال کیا، ہم نے تمام احادیث پر شک نہیں کیا، بیشتر اور تمام کا یہ فرق اہم ہے، لیکن صرف نظریاتی حیثیت سے، فی الحال ہمارے پاس اس فرق کی تعیین کے وسائل نہیں (لہٰذا تمام احادیث کو مشکوک فرض کرتے ہوئے) ہمیں اب ہر حدیث کو (خواہ وہ متواتر ہو یا مستفیض، صحیحین کی ہو یا ان کے علاوہ کی، اسکی صحت پر امت کا اتفاق ہو یا نہ ہو) فرداً جانچنا ہوگا اور تاریخی لحاظ سے اسکی صحت کو پرکھنا ہوگا۔۔۔۔"
(فکر و نظر جلد ۱ ش ، ص ۱۰)

۳۷۔ صحت اسناد حجت نہیں بلکہ کانخانی اور شناخت کی بحثیں اس کا فیصلہ کریں گی کہ وہ حجت ہے یا نہیں | "علم الرجال مسلمانوں کے عظیم کارنامہ کی حیثیت سے مسلّم، محدثین کا اسنادی صحت اور صحیح اور غیر صحیح کے پہچاننے انتھک محنت کرنا ہم پر بہت بڑے احسان کی حیثیت سے بسر و چشم، الغرض اسناد کی منفی حیثیت کو مسلّم، لیکن اسے مثبت قطعی حجت قرار نہیں دیا جا سکتا ہلاکہ زید۔ مثلاً امام شافعیؒ ایک ثقہ راوی ہے۔ اور بکر مثلاً امام مالک بھی، اور یہ بھی تسلیم کہ زید کی بکر سے ملاقات ہوئی تھی، لیکن یہ کہاں ثابت ہوتا ہے۔ کہ زید نے بکر سے فلاں حدیث ضروری ہی روایت کی تھی۔"؟ (سبحان اللہ کیا شانِ تحقیق ہے، اگر زید نے بلا تحقیق بکر سے روایت کر ڈالی تو وہ ثقہ کیسے رہا۔)

"اسناد کے مثبت قطعی حجت ہونے کے خلاف سب سے قوی اور قاطع دلیل" یہ ہے کہ خود اسناد کا استعمال پہلی صدی ہجری کے اختتام سے شروع ہوا۔" (اس قوی اور قاطع دلیل کی سند۔؟)

"نتیجہ یہ کہ مثال کے طور پر بخاری اور مسلم میں پیشین گوئی والی حدیثوں کے اسناد خواہ کیسے ہی قوی

کیوں نہ ہوں ہم ان کی صحت کو قبول نہیں کر سکتے۔" (ورنہ "فتنہ مطلق اسلام" کی جڑ کٹ جاتی ہے) کیونکہ ان کی داخلی شہادتیں اس کے خلاف ہیں (ان داخلی شہادتوں کا خلاصہ یہی تو ہے، کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور عقلِ الٰہی ان پیشنگوئیوں کی صلاحیت نہیں رکھتی۔ اس لئے فرض کرنا چاہیئے۔ کہ یہ احادیث زمانۂ مابعد کی پیداوار ہیں۔ جن کے ذریعہ سے معاصرانہ واقعات کا رخ یوں ہی تاریخ ساز محدثین نے ماضی کی طرف موڑ دیا۔ معمولی عقل و فہم کا آدمی بھی جان سکتا ہے۔ کہ یہ شہادتیں اپنے اندر کتنا وزن رکھتی ہیں، جن بنا پر تمام احادیث متواترہ، مشہورہ اور صحیحہ کو رد کیا جاتا ہے، اور اکابر ائمہ کو "تاریخ ساز" کا مقدس لقب دیا جاتا ہے۔)

نوٹ :- "اسناد پر دو نامور مستشرقین کا تنانی اور شاخت کی بحثیں قابلِ توجہ ہیں۔" (جی ہاں دینِ اسلام کی صحیح بصیرت "نامور مستشرقین" کی بحثوں کو قابلِ توجہ قرار دئے بغیر حاصل ہو بھی کیسے سکتی ہے۔ اسلام کی تعریف سے لیکر اس کے تمام اصول و فروع کے لئے ان ہی نامور مستشرقین" کی زلّہ ربائی فرض ہے۔ نعوذ باللہ من سوء الفہم)۔ (فکر و نظر جلد ۱ ش ، ص ۱۰)

۳۸۔ اساطیر الاولین "درحقیقت بیشتر (بلکہ گذشتہ تحقیق کے پیشِ نظر تمام) احادیث مجموعہ ہیں ان کہاوتوں جیسے مقولوں کا جن کی تراش خراش خود قرنِ اولیٰ کے مسلمانوں کے ہاتھوں انجام پائی مگر انہیں رسالتمآب کی طرف منسوب کر دیا گیا۔" (قال الذین کفروا ان ہذا الا اساطیر الاولین)

۳۹۔ اجتماع نقیضین "یہ نسبت سراسر بے بنیاد نہ تھی، اگرچہ ان مقولوں میں کہاوتوں کا اسلوب پایا جانا خود اس بات کی شہادت ہے کہ یہ نسبت تاریخی صحت سے محروم ہے۔" (گویا یہ نسبت صحیح بھی ہے، اور صحت سے محروم بھی)

"الغرض یہ احادیث ایک وسیع الذیل اور عظیم المرتبت شرح ہیں سنتِ نبوی کی جس کے شارح قرونِ اولیٰ کے مسلمان ہیں۔" (لیکن یہ شرح اپنی وسعت اور عظمت کے باوجود صحت سے محروم، اور شارحین کرام غیر صحیح روایات ذاتِ نبوی پر تھوپنے والے۔)

چنانچہ سنتِ نبوی پر مبنی ہونے کے ساتھ ہی ساتھ یہ سلف صالحین کے بصائر و حکم مجموعہ بھی ہیں۔ (لیکن اس مجموعہ بصائر و حکم " میں جگہ جگہ کیڑے بھی موجود ہیں، جن کو صاف کرنے میں ادارۂ تحقیقات کے علمبردار خود اسلام ہی کا صفایا کر رہے ہیں۔) (فکر و نظر جلد ۱ ش ، ص ۱۱)

۴۰۔ مرا نہیں اکڑتا ہے "اگرچہ ہم مجموعی طور پر احادیث کی تاریخی صحت کو مشکوک جانتے ہیں، لیکن ہم نے یہ کہیں نہیں کہا کہ یہ جھوٹی یا جعلی ہیں۔" (گویا مرا نہیں اکڑا ہے۔ لیکن ادارۂ تحقیقاتِ اسلامیہ

کے "فتنۂ تخلق اسلام" کی دعا سے یہ قرض بھی ادا ہو جائے گا۔)

۴۱۔ تاریخ کی جنتری | حدیث عائشہؓ "تزوجنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وانا بنت ست" الحدیث یہ حدیث صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابوداؤد، سنن نسائی اور دوسری تمام کتب حدیث میں (مختلف اسانید کیساتھ) مروی ہے۔ لیکن چونکہ تاریخی جنتری اسکی تائید نہیں کرتی اس لئے یہ روایت کسی طرح قابل قبول نہیں ٹھہرتی۔" (فکر و نظر جلد ۱ ش ۹ ص ۳۳ ومابعد)

۴۲۔ ایمان سے محرومی | "ابن ماجہ کی حدیث عمرؓ "ان آخر ما نزلت آیۃ الربا" الحدیث۔ اس حدیث کو حدیث صحیح سمجھنے والا نہ اللہ تعالیٰ پر ایمان صحیح رکھتا ہے، نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر، نہ آپ کی رسالت پر، روایت پرستی نے اسکی بصارت و بصیرت کی آنکھوں پر "رواۃ پرستی" کی پٹی باندھ دی ہے کہ ان کو اس "افترائی حدیث" کے سوا کچھ نہیں سوجھتا۔" (فکر و نظر جلد ا ش ۱۲ ص ۶۴)

۴۳۔ کوفے کی ٹکسال | "بخاری شریف کی حدیث ابن عباس آخر آیۃ نزلت علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم آیۃ الربوا۔ یہ حدیث کوفے کی ٹکسال میں گھڑی گئی۔" (فکر و نظر جلد ا ش ۱۲ ص ۷۱)

۴۴۔ بصرہ کی ٹکسال | "غرض ربوا کے متعلق حدیثوں میں جو اختلاف و اضطراب ہے، اس پر اگر کوئی معترض ہو تو اسکی زبان بندی کے لئے بطور عذر لنگ کے یہ بہتان عظیم حضرت عمر فاروق اعظم پر باندھا گیا۔ (استغفر اللہ) یہ بہتان بصرے کی ٹکسال میں گھڑا گیا۔" (حوالہ بالا)

۴۵۔ رواۃ پرستی اور بخاری شریف میں کذب صریح | "یہ سمجھنا کہ صحیح بخاری (؟) کی ہر حدیث صحیح ہے۔ غایت رواۃ پرستی ہے، صحیح بخاری میں تو "کذب صریح" تک موجود ہے۔ جس سے ہر قاری بخاری واقف ہے۔ اقرار کرے یا نہ کرے۔" (لاحول ولا قوۃ الا باللہ) (فکر و نظر جلد ا ش ۱۲ ص ۷۵)

۴۶۔ کتب صحاح چرخے میں | "صحاح تک کی ہر کتاب میں قرآن مجید کی محفوظیت ولاریبیت، اور خلق عظیم نبوی پر حرف لانے والی احادیث پاکر ان کتابوں کو پھاڑ ڈالنے اور چرخے میں جھونکنے کو جی چاہتا ہے۔" (یریدون لیطفئوا نور اللہ بافواھھم واللہ متم نورہ ولو کرہ الکافرون) فکر و نظر جلد ۲ ش ص ۲۷

۴۷۔ بخاری، نسائی، ترمذی | "ایسی گمراہ کن حدیثیں منافقین نے ان کتابوں میں داخل کر دیں، جس طرح بخاری میں جمع قرآن کا پورا باب بنا کر داخل کر دیا، اور مختلف مقامات پر اسکی حدیثیں ٹھونس دیں، یہی حال ترمذی، نسائی کا بھی کیا۔" (یہ توجیہ بھی ممکن ہے کہ کتابیں اپنی اصل حالت پر ہوں جیسا کہ ان کا تواتر خود اس کا شاہد ہے۔ مگر ادارۂ تحقیقات اسلامیہ کے "مخالفین اسلام" پر الحادی صفراء کا چونکہ غلبہ ہے اس لئے انہیں قند زہر ہلاہل نظر آتا ہے۔) حوالہ بالا ص ۲۷

یہ ہے ادارہ تحقیقات اسلامیہ کے ڈاکٹروں، پروفیسروں اور ارباب فکر و نظر کے الحادی نظریات کا

خلاصہ جس کا حاصل یہ ہے کہ احادیث بالکلیہ مشکوک، ناقابلِ اعتماد، جعلی اور زمانۂ مابعد کی پیداوار، اور اسلام قرونِ وسطیٰ کی مخلوق ——

۶۔ امتِ مسلمہ اور اجماعِ امت

دینِ اسلام کی تیسری بنیاد "اجماعِ امت" ہے، اجماعِ امت کی دینِ اسلام میں کیا اہمیت ہے۔؟ اس پر غور کرنے کیلئے ہمیں یہ حقیقت پیشِ نظر رکھنی ہوگی۔ کہ دینِ اسلام خدا تعالےٰ کی جانب سے نازل شدہ ہے، اور قیامت تک کے لئے یہ تمام انسانیت پر حجت قائم ہے۔ اس لئے حکمتِ الٰہیہ کا تقاضا ہے، کہ یہ قیامت تک کے لئے صحیح حالت پر محفوظ رہے، اور جن واسطوں سے یہ نقل ہوتا ہوا ہم تک پہنچا یا قیامت تک پہنچے گا، ان تمام درمیانی کڑیوں کو اسکی فہم اور حفاظت میں منزہ عن الخطاء تسلیم کئے بغیر نہ اسکی حفاظت کا دعویٰ کیا جاسکتا ہے، نہ اسے قیامت تک کیلئے حجت قائمہ قرار دیا جاسکتا ہے۔ اب اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ امتِ مسلمہ کے کسی دور نے اسلام کو صحیح نہیں سمجھا۔ یا یہ کہ اسکی حفاظت کا حق ادا نہیں کیا، یا کسی غیر اسلامی نظریہ کو اسلام بنا ڈالا، تو اس مفروضہ کا صاف مطلب ہوگا کہ دینِ اسلام کے تسلسل کا رشتہ ٹوٹ گیا، اور یہ بعد والوں کے لئے اللہ کی حجت نہ رہا، یہ نکتہ اگرچہ واضح ہے۔ تاہم اسکی تائید کے لئے شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ کی شہادت پیش کی جاتی ہے۔ شاہ صاحب رحمہ اللہ آیت "ہو الذی ارسل رسولہ بالہدیٰ و دین الحق لیظہرہ علی الدین کلہ" پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ایں آیت حکم است درمیان اہلِ سنت و اہلِ بدعت، خدائے تعالیٰ ہدیٰ و دینِ حق را بر آنحضرۃ صلی اللہ علیہ وسلم نازل فرمود، و وے صلی اللہ علیہ وسلم آں را بصحابہ تبلیغ نمود و صحابہ آں معنیٰ کہ مرادِ حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم بود فہمیدند و بقرن تابعین رسانیدند ثم و ثم۔

یہ آیت اہلِ سنت اور اہلِ بدعت کے درمیان "فیصلہ کن" ہے، خدا تعالیٰ نے ہدایت اور دینِ حق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمایا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے صحابہ کرام تک پہنچایا۔ اور یہ امانت تابعین تک پہنچائی، اور تابعین نے تبع تابعین تک اور تبلیغ اور فہم کا یہ سلسلہ اسی طرح چلتا رہا۔ (اور بغیر کسی انقطاع کے قیامت تک چلتا رہے گا۔)

زیرا کہ ارادۂ الٰہی نہ محض تعلیم آنحضرت بود

اس لئے کہ ارادۂ الٰہیہ نہ تو محض آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم، ونہ خروج آنجناب از عہدۂ تبلیغ، اگرچہ سامعاں نہ فہمند، بلکہ مراد ظہور دین حق است قرناً بعد قرنٍ،

صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم تھی، نہ یہ کہ آپ فریضۂ تبلیغ سے سبکدوش ہو جائیں، خواہ سننے والے سمجھیں یا نہ سمجھیں بلکہ مراد الٰہی یہ تھی کہ ہر قرن میں دین حق کے ظہور اور غلبہ کا سلسلہ جاری رہے۔

پس کسیکہ گوید کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دین حق را بصحابہ رسانیدند، لیکن ایشاں معنیٔ کہ مراد بود نہ فہمیدند، یا نہمیدند اما غرض نفسانی حامل شد ایشاں را بر کتمان آں، وے مبتدع است۔

(ازالۃ الخفاء ج ۱ ص ۱۷۵)

لہٰذا جو شخص یہ کہتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دین حق صحابہؓ کو پہنچا دیا تھا، لیکن صحابہؓ نے اسے نہیں سمجھا، یا انہوں نے سمجھ لیا تھا، لیکن غرض نفسانی کی وجہ سے اسے چھپا لیا۔ (یا اسلامی تاریخ کے کسی دور کے متعلق کوئی شخص دین کو نہ سمجھنے یا ظاہر نہ کرنے کا دعویٰ کرتا ہے۔) وہ بدعتی ہے۔ (اور اہل ایمان کے راستہ سے ہٹا ہوا ہے۔)

اس سے واضح ہوگیا ہوگا کہ امت مسلمہ کی محفوظیت اور اعتماد کا مسئلہ محفوظیت اسلام کی فرع ہے، اسی کو لا تجتمع امتی علی الضلالۃ" میں بیان فرمایا گیا ہے۔ (یعنی میری امت گمراہی پر جمع نہ ہوگی) گویا جسطرح حرکت اصالۃً کشتی کی صفت ہے۔ لیکن تبعاً "کشتی نشین" بھی اس سے موصوف ہوتا ہے، ٹھیک اسی طرح خطاء سے محفوظ ہونا اصالۃً اسلام کی صفت ہے، اور تبعاً اس صفت سے امت مسلمہ مشرف ہے، پس اسلام اور امت مسلمہ کے درمیان رشتۂ ملازمت ہے۔

یہاں ایک باریک نکتہ اور بھی قابل توجہ ہے، وہ یہ کہ بعض دفعہ ایک ہی چیز ایک اعتبار سے مقدم ہوتی ہے، اور دوسرے اعتبار سے مؤخر ہوتی ہے۔ مثلاً سلسلۂ انسانیت میں حضرت آدم علیہ السلام مبدأ اوّل ہیں، لیکن اگر سلسلۂ نسب کو بیان کیا جائے تو آدم علیہ اسلام کا نام سب سے آخر میں آئے گا۔ (مثلاً زید بن بکر بن عمرو بن محمود الی آخر السلسلۃ) یا مثلاً مسئلہ توحید اور مسئلہ رسالت میں سے اوّل الذکر اپنی ذات کے اعتبار سے مقدم ہے، اور تصدیق کے اعتبار سے مؤخر ہے، جب تک نبی کی تصدیق نہ کی جائے اور اسکی رسالت پر ایمان نہ لائے توحید کی تصدیق ممکن نہیں، اسی طرح جب تک ہم تبع تابعین پر اعتماد نہ کریں گے تابعین پر اعتماد بے معنیٰ ہوگا، اور جب تک تابعین پر اعتماد نہ کیا جائے، صحابہؓ پر اعتماد کی کوئی صورت نہیں، اور صحابہؓ پر اعتماد کئے بغیر ذات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان

ممکن نہیں، اور آپ پر اعتماد کئے بغیر وحی اور فرشتۂ وحی پر اعتماد نہیں ہو سکتا اور وحی پر اعتماد کئے بغیر خدا تعالیٰ کی ذات برکات پر اعتماد نہ ہوا، الغرض جسطرح باپ کے واسطہ کے بغیر دادا کیطرف اور دادا کے بغیر پردادا کی طرف سلسلۂ نسب میں انتساب غیر معقول ہی نہیں، ناممکن بھی ہے۔ اسی طرح ہر پچھلی صدی پر اعتماد کئے بغیر پہلی صدی کی طرف زقند لگانے کی حماقت بھی غیر معقول ہوگی، اس سے معلوم ہوا کہ دینی معاملات میں سلف پر اعتماد نہ کرنا، ان کی اغلاط کو اجاگر کرنا اور فرضی تاریخ کی ان پر سنگ باری کرنا الحاد کا اصل سرچشمہ ہے۔

اب تک کی چودہ صدیوں کا باہمی تعلق سلسلۂ عدد کا سا سمجھو، سلسلۂ اعداد کی ایک کڑی کو غائب کر دیا جائے تو سلسلہ کا آگے جاری رکھنا ناممکن ہے، ۲ اور ۴ میں سے ۳ کا عدد گم کر دینے کے بعد نہ ۲ سے ۴ تک پہنچا جا سکتا ہے نہ ۴ سے ۲ تک لوٹا جا سکتا ہے۔ اسی طرح اسلام کی چودہ صدیوں میں ایک لمحہ بھی اگر ایسا فرض کر لیا جائے جس میں اسلام کو نہیں سمجھا گیا، تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ اسلامی تاریخ کے اوّل حصّہ د آخر حصّہ میں ایسی وسیع خلیج واقع ہوگئی جسے پاٹنا ناممکن ہے، اب فرض کرنا ہوگا کہ نہ اسلام اس وسیع خلیج کو عبور کر کے آگے بڑھ سکا، نہ بعد کی امت اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے رابطہ قائم رکھ سکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم نے اتباع سبیل المومنین پر زور دیا ہے، اور یہی وجہ ہے کہ "خرقِ اجماع" (اجماعِ امت کے توڑنے) کو امت مسلمہ کے ہر دور میں فطرتِ اسلامیہ کے خلاف قرار دیکر حجیت اجماع کو ضروریاتِ دین میں شمار کیا گیا ہے۔ "اجماعِ امت" کے بارے میں موجودہ دور کے ملاحدہ نے جو مشاغبات اور "ہزلیات" کا طوفان کھڑا کیا ہے، یہ براہِ راست ختم نبوت اور اسلامی تاریخ کے خلاف ایک سازش ہے۔

نام نہاد ادارۂ تحقیقاتِ اسلامیہ کے "فتنۂ خلقِ اسلام" کی تمام تر بنیاد امتِ مسلمہ کو جھٹلانے پر رکھی گئی ہے۔ اس فتنہ کا اصل منبع یہی ہے کہ امتِ مسلمہ کی ایک دو صدیاں نہیں بلکہ اس کی پوری تاریخ ہی اسلام کی صحیح فہم و بصیرت سے محروم رہی، اور چاہا جاتا ہے کہ تمام ضروریاتِ دین اور مسلمات دینیہ کو روند کر فرضی تاریخ کی سیڑھی سے تمام مسائلِ اسلام کا فرضی "شانِ نزول" مرتب کیا جائے، پھر اس خودساختہ شانِ نزول کو سامنے رکھ کر اسلام کے نئے کل پرزے تیار کئے جائیں۔ اب اجماعِ امت، امتِ مسلمہ، عقایدِ اسلامیہ اور اجماع مسائل کے بارے ادارۂ تحقیقاتِ اسلامیہ کے ملاحدہ کے تصورات کا خلاصہ ملاحظہ فرمایئے:

اجماعِ امت | ا۔ ہم یہ واضح کر چکے ہیں، کہ اجماع کے بارے میں جو احادیث مروی ہیں ان کی تاریخی صحت

ناقابلِ یقین ہے۔" (فکر و نظر جلد ۱ ش ، ص ۱۷)

۲۔ "اگر اس آیت سے (یا قرآن کی کسی دوسری آیت سے) اجماع کا اصول مستنبط ہو سکتا تو امام شافعیؒ وغیرہ اسے اجماع کی دلیل کے طور پر ضرور پیش کر چکے ہوتے۔" (فکر و نظر جلد ۱ ش ، ص ۱۸)

۳۔ "ایک اجماع کو بعد کا اجماع بدل سکتا ہے۔" (حوالہ بالا)

۴۔ اجماع ایک رواجی امر ہے ، نہ کہ نظریاتی شے ، جس میں حق و باطل کی بحث ہو سکے ، اجماع درست یا نادرست ، یا قدرے درست اور قدرے نادرست ہو سکتا ہے۔ اس کے حق یا ناحق ہونے کی بحث عبث ہے۔" (حوالہ بالا)

۵۔ "اجماعِ امت جو مروجہ عقاید کے حامیوں کے یہاں "فقہی اصل الاصول" ہے ، کا تجزیہ کر کے معلوم کیا جائے کہ آیا اپنی موجودہ شکل میں یہ اصل الاصول شرک کے خطرہ سے کافی طور پر محفوظ ہے یا نہیں اگر محفوظ نہیں تو امت کے بری عن الخطار ہونے کے عقیدہ پر مزید کون سی تحدید عائد کی جائے" ملخصاً (فکر و نظر جلد ۱ ش ۹ ص ۲۶)

۶۔ "اسلامی قانون اور فقہ کی تعبیر و ترجمانی کے کام میں امت کی کلیت کو بحیثیت مجموعی اس کے کسی دوسرے گروہ یا طبقہ پر جس میں ماہرینِ فن بھی شامل ہیں ، تفوق اور برتری حاصل ہے ———" (فکر و نظر جلد ۱ ش ۹ ص ۲۷)

۷۔ "تلخ تجربات کی بنا پر ہمیں معلوم ہے علم اور راست کرداری ہمیشہ ایک جگہ جمع نہیں ہوتیں ، نہ ان میں سے کوئی صفت دوسرے کے ساتھ لازم و ملزوم ہے۔" (لہٰذا فرض کرنا چاہیئے کہ اہل علم چونکہ راست کرداری سے خالی ہوتے ہیں ، اس لئے ملاحدۂ مغرب کے شاگردانِ عزیز کو قانونِ فقہ کی تعبیر و ترجمانی کا حق ملنا چاہیئے۔) (فکر و نظر جلد ۱ ش ۹ ص ۲۸)

۸۔ "قرآن و سنت کے احکام کے فہم کی صلاحیت کا معیار کیا ہے۔ اسے متعین کرنے کیلئے محض بعض مدرسوں کی سندوں کو معیار قرار دینے پر مسلمان نہ اب تک متفق ہوئے ہیں نہ آئندہ ہوں گے۔" (لیکن ادارۂ تحقیقات کے ڈاکٹروں اور مفکروں کی بھیڑ جو بالواسطہ یا بلاواسطہ مغرب کے کاسہ لیس ہیں ، ان پر تمام مسلمان شاید متفق ہو چکے ہیں اسی لئے "قانون کی جامع کتاب" مرتب کی جا رہی ہے۔) (حوالہ بالا)

۹۔ قرآن کی وہ آیت اور حدیث جس پر اجماع کا عقیدہ مبنی ہے ، دونوں کا تعلق تمام امت مسلمہ سے من حیث الکل ہے۔ کسی خاص گروہ یا طبقہ سے ہرگز نہیں اور ان کی رو سے نہ صرف اللہ تعالیٰ کے

احکام کے فہم کی سند اور اس کا اختیار امت مسلمہ کو من حیث الکل مل جاتا ہے ، بلکہ ان سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ قرآن وسنت کی تعبیر و تاویل کا اہل کون ہے ۔ اور کون نہیں ۔ اس کا فیصلہ کرنے کیلئے ایک انتخابی بنیاد مستنبط کی جائے ، امت مسلمہ خود اس امر کا انتخاب کے ذریعہ فیصلہ کرے کہ اس فقہی تعبیر کے اہل کون ہیں ۔ تبھی اہل رائے کے اجماع کے عامۃ المسلمین کے ساتھ ارتباط کا کوئی ٹھوس اور قابل عمل حل نکل سکے گا ۔ " (فکر ونظر جلد ۱ ش ۹ ص ۳۹)

۱۰ ۔ اسلامی طریق انتخاب کی بنیاد مسجد پر ہے جو مسلمانوں کا ابتدائی اور اعلیٰ ترین انتخابی حلقہ ہے ، جس میں اشخاص کی سیرت وکردار کی جانچ پڑتال ہوتی ہے ، اور اسلامی علم پر زور دیا جاتا ہے ۔" (حوالہ بالا)

۷ ۔ اہل حق سلف صالحین

۱ ۔ شدید تفکر و تعمق | " رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس دار فانی سے تشریف لے جانے کے تقریباً ایک سو سال بعد " اس اخلاقی عملی رجحان کی جگہ شدید تفکر و تعمق نے لے لی ۔ یہ کوئی عجیب بات نہ تھی کیونکہ ہر مذہب پر ایسا دور آتا ہے ، جب کہ اس کا عالمی نظریہ اس کے ماننے والوں کے صرف اعمال میں متضمن نہیں رہتا بلکہ ان کی بنیاد پر عقائد کی تشکیل بھی ہوتی ہے ؛ (گویا جو کچھ ہر مذہب پر گذری وہی کچھ اسلام پر بھی گذری ۔) (فکر و نظر جلد ۱ ش ۱۰ ص ۸)

۲ ۔ غلو اور تشدد | " لیکن افسوسناک بات یہ ہوئی کہ دوسری اور تیسری صدی کے دوران اسلام کے فکری ارتقاء میں ایک مقام ایسا آگیا جہاں معتزلہ اور ان کے مخالفین (اہل سنت) دونوں نے اخلاقی تجاذب اور تناؤ کے ایک ہی سرے پر سارا زور صرف کیا .... لیکن ان مخالفین معتزلہ نے بھی صرف ایک ہی سرے سارا زور صرف کیا اور وہ تھا مشیت و قدرت الٰہی کا سرا ۔ انہوں نے اس معاملے میں اس قدر غلو اور تشدد سے کام لیا کہ یہ بھی اپنے عقائد کے ہاتھوں گویا خود ہی گروی ہو گئے ۔ اور استداد زمانہ کے ساتھ انہوں نے جبریت کو روایتی عقائد کا جزو لاینفک بنا دیا ؛ ملخصاً ۔۔۔۔۔۔

(فکر ونظر جلد ۱ ش ۱۰ ص ۸)

۳ ۔ راہ اعتدال سے ہٹ کر | " اس یکطرفہ جھکاؤ کا نتیجہ یہ ہوا کہ سیاسی نظام کیطرح اخلاقی اصول کے بارے میں اہل السنت والجماعت کو راہ اعتدال چھوڑ کر انتہا پسندانہ موقف اختیار کرنا پڑا ۔" (حوالہ بالا ص ۹)

۴ ۔ اہل سنت کا مقصد وجود | " بلکہ یہ کہنا زیادہ صحیح ہوگا کہ اہل السنت والجماعت وجود میں آتے ہی اس مقصد کو لیکر کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور انسان کی بیچارگی محض کو جزو عقیدہ بنا کر رہیں گے ۔"

(حوالہ بالا)

۵۔ بدقسمتی سے شریعت کے پاسبان | لیکن جب اسلام کا پہلا توسیعی دور ختم ہوا تو بدقسمتی سے شریعت کی پاسبانی ان لوگوں کے ہاتھوں میں آئی جنہوں نے اسلام کی بنیادی اور مثبت رُخ سے بالکل بے اعتنائی برتی۔ (فکر ونظر جلد ۲ ش ۲ ص ۹۱)

۶۔ مسلمانوں کا قانونی نظام | ان کے قانونی نظام میں صرف تعزیریں اور پابندیاں نظر آتی ہیں، ان میں حیات آفرینی کا کہیں پتہ نہیں چلتا۔ (حوالہ بالا)

۷۔ مسلمانوں کا نظام عقائد | یہ حقیقت کہ اہل السنت والجماعت نے اپنے عقیدہ میں بعض عناصر دائیں بازو اور بعض بائیں بازو سے لیکر داخل کرلئے ہیں۔ صرف محولہ بالا حدیث تک محدود نہیں بلکہ واقعہ یہ ہے کہ امتزاج و اعتدال کی یہ حکمت عملی ہی اہل السنت والجماعت کا اصل الاصول ہے۔ (فکر و نظر جلد ۱ ش ۶ ص ۱۰)

درمیانی راستہ (صراط مستقیم) پر چلنے والی اکثریت (سواد اعظم) کا یہ تصور اگرچہ اپنے ابتدائی مرحلہ میں سیاسی تقاضہ کی پیداوار تھا، لیکن جب سیاسی دھڑے بندیوں کو عقائد، فقہ اور اخلاق کی بنیادوں پر استوار کرنے کی کوشش ہونے لگی تو اس تصور نے دینی عقیدہ اور فقہی مسلک کی شکل اختیار کرلی (حوالہ بالا)

۸۔ مسلمانوں کا سیاسی نظام | (اطاعت امیر کی احادیث کا ذکر کرنے کے بعد) لیکن جب یہ جذبہ (اطاعت امیر) ایک عقیدہ بن گیا، اور یہ فرض کرلیا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان سے اسکی تائید ہوتی ہے، تو یہ عقیدہ تسنن کی عمارت کا ستون بن گیا۔ اور سنی مسلمان ہمیشہ کے لئے حزب اقتدار کے حامی ہوکر رہ گئے خواہ اقتدار کیسے ہی ہاتھوں میں کیوں نہ ہو۔ (جلد ۱ ش ۹ ص ۱۰)

۹۔ مسلمانوں کی ابن الوقتی | بہ ایں ہمہ اگر خالص سیاسی اطاعت و انقیاد کے عقیدہ کو بعض دوسرے قوی اخلاقی اور روحانی عوامل سے تائید نہ ملتی تو یہ عقیدہ کھلی سیاسی ابن الوقتی بن جاتا، لیکن بدقسمتی سے بعض ایسے واقعات رونما ہوئے جن کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس عقیدہ کی بنا پر نہ صرف سیاسی بلکہ اخلاقی بے عملی کی تلقین ہونے لگی ---------- لیکن بایں ہمہ یہ ایک حقیقت رہی ہے۔ اور تاریخ اسلام کی اب بھی یہ ایک بنیادی حقیقت ہے کہ ایک طرف سیاسی اطاعت پذیری کے جذبے کو عمداً پروان چڑھایا گیا، دوسری طرف عام اخلاقی بے حسی اور بے عملی کو فروغ دیا گیا، اور ان دونوں اسباب کے اجتماع سے نہ صرف یہ کہ سیاسی ابن الوقتی کے مواقع فراہم ہوئے بلکہ ایسا نظر آنے لگا کہ یہی عقیدۂ راسخ ہے، اور اسی میں نہ صرف دنیوی بلکہ اخروی سلامتی کی ضمانت بھی ہے۔ (حوالہ بالا ص ۱۰، ۱۱)

۱۰۔ مسلمانوں کا جامد فکری نظام | سچ تو یہ ہے، کہ اسلام کی مذہبی تاریخ کی ایک نمایاں حقیقت یہ ہے، کہ اسلام ہمیشہ انتہا پسندانہ نظریات کا شکار رہا ہے نہ صرف سیاسی لحاظ سے بلکہ عقائد اور اخلاق کے لحاظ سے بھی، اہل سنت اعتدال، مصالحت اور تطبیق کے نام سے وجود میں آئے تھے۔ لیکن جب ان کا فکری نظام پورے طور پر مرتب ہو گیا، تو یہ خود جامد، جابر، اور جارحانہ ذہنیت کے مالک بن گئے، اور اعتدال و تطبیق اور جذب و انجذاب کی بجائے خود تخرب کا شکار ہو گئے۔ (بحوالہ بالا ص ۱۲)

۱۱۔ مردہ کا ورثہ | راسخ العقیدہ گروہ کا نظام تعلیم اور ان کا نظام فکر محض مردہ کا ورثہ بن گیا، ان میں زندگی کی حرارت باقی نہیں رہی۔ (جلد ۲ ش ۳ ص ۱۵۳)

۱۲۔ مسلمانوں کا نظام تعلیم | قرون اولی (بشمول دور نبوی و دور صحابہؓ۔ ناقل) میں راسخ العقیدہ مسلمانوں نے اعلی تعلیم کا کوئی باقاعدہ انتظام ترتیب نہیں دیا۔ (میک گل یونیورسٹی نہیں کھولی۔ ناقل) ان کی درس گاہیں محض ابتدائی درجہ کی تھیں، جن میں بچوں کو قرآن مجید نوشت و خواند اور ساتھ ہی ساتھ اکثر حساب کی مبادیات کی تعلیم دی جاتی تھی، اعلی التعلیم کا محور اس زمانہ میں درس گاہیں نہیں بلکہ ذی علم شخصیتیں تھیں، طالب علم ایک مشہور و معروف شیخ سے کسب فیض کر کے دوسرے شیخ کے آگے زانوئے تلمذ تہ کرتے تھے۔ اور ان سے سندیں حاصل کرتے تھے، سارے کے سارے درسی مضامین روایتی نوعیت کے ہوتے تھے، تنظیم کے فقدان کی وجہ سے ابتدائی مدارج سے اعلی مدارج تک طالب علموں کے پہنچنے کا کوئی انتظام نہ تھا، یہ دونوں مدارج بالکل جداگانہ تھے، بلکہ انہیں مدارج کہنا بھی درست نہیں کیونکہ درجہ بندی کا اس وقت کوئی تصور ہی نہ تھا۔ (فکر و نظر جلد ۲ ش ۳ ص ۱۵۲)

۱۳۔ مسلمانوں کے مدارس | مدرسہ ہی وہ جگہ تھی جہاں عالم اسلام کے مفکر تیار کئے جاتے تھے، لیکن یہاں تو یہ مضمون تھا، کہ ع۔ مری تعمیر میں مضمر ہے صورت اک خرابی کی۔ چنانچہ عالم اسلام میں مدرسوں کی باقاعدہ تشکیل کیساتھ ہی فکر خالص کا اخراج عمل میں آیا۔ (جلد ۲ ش ۱ ص ۱۹)

۱۴۔ علمائے اسلام کی مثال | سارا زور علوم یا ان کے موضوعات کی تحصیل پر نہیں، بلکہ کتابوں کی تدریس پر صرف کیا جاتا تھا، مثلاً طالب علم فقہ کی تعلیم حاصل نہیں کرتا تھا۔ وہ تو کنز الدقائق یا ہدایہ کا درس لیتا تھا۔ وہ تفسیر کا علم حاصل نہیں کرتا تھا، بلکہ جلالین یا بیضاوی پڑھتا تھا، بلکہ ان کا دورہ کرتا تھا۔ اس تعلیمی نظام کے پیدا کردہ ماحول کی ذہنی سطح کے لئے یہ طریقہ حسب حال ضرور تھا۔ لیکن اس سے علوم کو سمجھنے، ان کی تنقید اور تجزیہ کرنے کی صلاحیتیں نہیں ابھر سکتی تھیں، بلکہ اس سے محض چند کتابوں کے رٹ لینے کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے جس کی مذمت کرتے ہوئے قرآن نے یحمل اسفارا (چند موٹی موٹی کتابوں کے ڈھوئے پھرنے) کا بلیغ طنز استعمال کیا ہے۔ (جلد ۲ ش ۳ ص ۱۲۰)

۱۵۔ علمائے امت کی انسانیت سے روگردانی | اگر فارابی اور ابن سینا نے بعض عقاید سے انحراف کیا تو دوسری طرف امام غزالی اور ان کے بعد آنیوالے تمام علماء دا علامہ راسخ العقیدگی نے فلسفہ کی مذمت کرکے تمام انسانیت سے روگردانی کی۔" ملخصاً (جلد ۲ ش ۲ ص ۱۰)

۱۶۔ امام غزالی، شاطبی، ابن تیمیہ، مجدد الف ثانی اور تمام مشاہیر اسلام کی خودکشی | امام غزالی، شاطبی، امام ابن تیمیہ، مجدد الف ثانی، اور تمام مشاہیر اسلام جن جن کی جہریں فلسفہ کے خلاف فتویٰ پر لگی ہوئی ہیں، ان کی فلسفہ پر تنقید برحق، لیکن جب مسلم عقائد کے حامیوں نے پشت در پشت اور پے در پے انسانی عقل کو ہی ساقط الاعتبار قرار دیا تو یہ انتہا پسندانہ اور یکطرفہ کارروائی صرف غیر معتدلانہ بلکہ خودکشی کے مترادف تھا۔" ملخصاً (فکر و نظر جلد ۲ ش ۳ ص ۱۵۵)

۱۷۔ امام شافعیؒ کا اسلام پر ظلم | امام شافعیؒ کی روشن دماغی اور تیز طبعی نے ایک ایسا مشینی نظام پیدا کر دیا جس سے اسلام زندہ طاقت اور اپنی تقدیر کا خود مالک کی حیثیت میں نہیں رہا، بلکہ ایک اثر پذیر وجود کی حیثیت سے زندگی کے تھپیڑوں کی نذر ہوگیا۔" ملخصاً (فکر و نظر جلد ۱ ش ۱ ص ۳۰)

۱۸۔ امام ابو یوسف | امام ابو یوسف کا ائمہ فقہا کی نسبت تصور یہ تھا کہ وہ سنت نبوی کی توسیع اور زندہ سنت کی تخلیق کرنے کا کام سرانجام دے رہے ہیں۔" (سبحانک ہذا بہتان عظیم) (فکر و نظر جلد ۱ ش ۳ ص ۱۶)

۱۹۔ امام مالکؒ | امام مالکؒ تعامل اہل مدینہ کی تائید میں حدیث مزدور پیش کرتے ہیں۔ جو ضروری نہیں کہ مرفوع ہو، لیکن وہ سنت" (یعنی محض رسم و رواج) کو حدیث پر ترجیح دیتے ہیں۔" (یہ وہی امام مالک ہیں جو مزار نبوی کی طرف اشارہ کرکے فرمایا، کل منا راد و مردود الا صاحب ہذا القبر صلی اللہ علیہ وسلم۔ ہم میں سے ہر ایک کی بات رد کی جاسکتی ہے۔ مگر یہ صاحب قبر صلی اللہ علیہ وسلم اس اصول سے مستثنیٰ ہیں، آپ کے کسی ارشاد کو رد نہیں کیا جاسکتا۔ اندریں صورت امام مالک پر اس سنگین افتراء کے بارے میں اس سے زیادہ کیا کہا جاسکتا ان یقولون الا کذبا۔ یہ لوگ محض جھوٹ کہتے ہیں) (جلد ۱ ش ۵ ص ۷)

۲۰۔ محدثین کا تعصب اور انکی غلط بیانی | محدثین کے واضح تعصب کی مثال محمد بن اسحاق کی تضعیف ہے، اور ان کے جھوٹ کی دلیل امام مالکؒ سے محمد بن اسحاق کی عدم ثقاہت کی فرضی نقل ہے۔" ملخصاً (جلد ۱ ش ۶ ص ۲۲)

۲۱۔ سنہ ۱۴۰ھ سے پہلے | فقہا کی رائے "یا سوچی سمجھی رائے" کے انتشار اور ناقابل اختتام تضاد آرا کی بنیاد پر ابن المقفع (متوفی سنہ ۱۴۰ھ) نے یہ اعلان کر دیا کہ آنحضرتؐ کی کوئی متفق علیہ سنت (امت کے پاس) نہیں ہے۔ اور خلیفہ کو خود اپنے اجتہاد کو عمل میں لانے کا مشورہ دیا۔" (ابن المقفع کون تھا۔؟ جسکے ایک ہی حوالہ کو ادارۂ تحقیقات کے ڈاکٹروں نے وحی الٰہی سمجھ کر بار بار اسے ذکر کیا ہے۔؟ نیز جب بخاری جیسی متواتر کتاب ادارۂ تحقیقات کی تحقیقاتی عدالت میں کتر بیونت، ردو بدل اور تحریف و تبدیل سے پاک ثابت نہیں ہوتی تو ابن المقفع کا مجہول رسالہ" فی الصحابہ" میں قطعیت کی شان کیونکر پیدا ہوگئی۔؟) (فکر و نظر جلد ۱ ش ۱ ص ۴۱)

۲۲۔ علماء امت پر تحقیقاتی ادارہ کے سب و شتم کا ایک ٹکسالی نمونہ" | (حافظ ابن حجرؒ کی ایک عبارت نقل کرنے کے بعد) "یہ کی گواہی گروہ کٹ کیطرف سے" اسی کو کہتے ہیں۔ (فکر و نظر جلد ۱ ش ۱۲ ص ۹۸)

(باقی آئندہ)

سورۃ فاتحہ پر ایک نظر

حضرت مولانا مدظلہ نے یہ درس مورخہ ۱۵ رجب ۱۳۸۷ھ کو مسجد نور مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ کے ایک عظیم اجتماع میں دیا جو قارئین "الحق" کی نذر ہے۔
(محمد سعید الرحمٰن علوی۔ مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ)

اسلامی طرزِ حکومت

اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ الحمد للہ رب العٰلمین الرحمٰن الرحیم ملک یوم الدین ایاک نعبد و ایاک نستعین اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم ولا الضالین (آمین)

حضرات! آپ کے سامنے سورۃ فاتحہ کی تلاوت کی گئی ہے۔ یہ عظیم الشان سورۃ چونکہ قرآنی مضامین کی بنیاد ہے۔ اور اس کی تفسیر مختلف طرز سے کی گئی ہے۔ آج میں اس کی تفسیر سیاسی طرز سے کروں گا۔ علامہ سیوطیؒ نے جامع صغیر میں ایک حدیث نقل کی ہے کہ الفرق بین کلام اللہ وکلام المخلوق کالفرق بین اللہ وبین المخلوق یعنی اللہ اور اسکی مخلوق کے کلام میں ایسے ہی فرق ہے جیسے خود اللہ اور مخلوق میں۔ جو مقام اللہ تعالیٰ کا ہے وہی اس کے کلام کا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو خطاب فرمایا۔ اور در حقیقت مقصد امت کو سمجھانا ہے کہ اذا قرأت القرآن فاستعذ باللہ من الشیطن الرجیم۔ چونکہ قرآن منبعِ حیات اور تمام صفات حمیدہ کا سرچشمہ ہے۔ اس کے آغاز میں تعوّذ (اعوذ باللہ کہنا) ضروری قرار دیا ہے کہ شیطان الرجیم سے پناہ مانگو شیطان پہلے بھی کھلا تھا۔ اس بیسویں صدی میں اس کی گمراہی اور زیادہ کھل گئی ہے۔ کہ قرآن پڑھ پڑھ کر لوگوں کو گمراہ کیا جا رہا ہے۔ — پہلے سے فرما دیا تھا کہ یضل بہ کثیرا و یھدی بہ کثیرا۔ جو لوگ اپنی منشا سے قرآن بیان کریں گے، لوگوں کو گمراہ کریں گے۔ اور جو سلف صالحین کی طرز پر اسکی تفسیر کریں گے۔ وہ صحیح ہوگی اور ہدایت کا ذریعہ ہوگی۔ اپنی منشا سے تفسیر ابوجہل بھی کرسکتا تھا۔ تلاوت

دوست اور دشمن سب کو کاٹتی ہے، ایسے ہی قرآن قابلِ ہدایت ہے۔ بشرطیکہ طریقۂ اسلاف پر اس کا فہم اور بیان ہو، اگر سلف سے ہٹ کر ہو تو لامحالہ گمراہی ہو گی ۔۔۔۔ ایک دوست نے مجھ سے کہا کہ ایک مستشرق نے مجھ پر اعتراض کیا (مستشرق اس کو کہتے ہیں جو مشرقی علوم کا ماہر ہو) کہ شیطان انسان کا عظیم دشمن ہے، پوری دنیائے انسانیت کی گمراہی کا کام کرتا ہے اور خدا نے کہا ہے: "ان الشیطان لکم عدو" (شیطان تمہارا دشمن ہے) لیکن علاج اتنا آسان کہ اعوذ باللہ پڑھنے سے بھاگ جاتے۔ میں نے کہا کہ آپ نے جواب نہیں دیا۔ کہ دشمن اگرچہ اتنا بڑا ہے، لیکن علاج بھی بہت بڑا ہے۔ اس کو معمولی نہ سمجھو۔ شیطان سے بچاؤ کا صرف یہی طریقہ ہے، بے علمی کے سبب جواب نہ دیا۔ انگریز نے ہر زمانہ میں اسلام کو مٹانے کی کوشش کی مگر تاریخ شاہد ہے کہ مٹا نہ سکا۔ کیونکہ مسلمان زندہ ہیں اور باری تعالیٰ ان سے خدمتِ دین لے رہا ہے اگر ایک آدمی روئے زمین کا صدر ہو اور تمہارے پاس صرف دین ہو تو تم بڑے مرتبہ والے ہو۔ بہرحال میں نے اسے بتایا کہ استعاذہ بڑا عظیم علاج ہے۔ کیونکہ دشمن کے مقابلہ کے لئے دو چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ داخلی قوت، خارجی قوت، داخلی قوت مثلاً بحری، بری، ہوائی فوج مضبوط ہو، جدید اسلحہ سے لیس ہو اور خارجی یوں مثلاً ملکوں کا باہمی اتحاد ہو جائے۔ مدافعت کے یہی دو طریقے ہیں۔ بعض بزرگوں نے تعوذ کو فاتحہ سے ملایا ہے۔ جیسے صاحب روح المعانی سید محمود آلوسی اور امام رازیؒ نے کیا ہے اور بعض حضرات نے تفسیر بسم اللہ سے کی ہے۔ تو جو شخص کسی نیک کام پر اعوذ باللہ پڑھتا ہے اس کو بھی شیطان کے بھگانے میں دخل ہے۔ کیونکہ اس سلسلہ میں شیطان کو پہلا علم تو یہ ہے کہ بندہ نے اللہ کو پکارا ہے۔ دوسرا علم اسکو یہ ہے کہ اللہ نے بندے کی پکار سن لی۔ تیسرا علم یہ ہے کہ یہ بات خود اللہ نے بندہ کو سکھلائی ہے۔ چوتھا علم یہ ہے کہ اللہ مجھ سے زیادہ طاقتور ہے۔

ان چار علوم کے ہوتے ہوئے شیطان بھاگ جائے گا۔ کہ بندے نے ایک عظیم خارجی طاقت کو ساتھ ملا لیا ہے، جیسے ایک چھوٹا بچہ گھر سے باہر نکلا، گلی میں ایک آٹھ سالہ بچہ اسے آملا اور اس آٹھ سالہ بچہ نے اس پر ہاتھ اٹھایا تو اس بچہ کی داخلی قوت تو ہے نہیں، وہ خارجی قوت یعنی باپ کو آواز دے گا۔ آواز سنتے ہی باپ آجائے گا۔ اس طرح آٹھ سالہ بچہ بھاگ جائے گا۔ کہ اس نے ایک خارجی قوت کو طلب کر لیا معلوم ہوا کہ اعوذ باللہ خارجی قوت کیلئے بڑا مؤثر ہتھیار ہے۔ اور یہ محض قول نہیں حافظ ابن قیم علیہ الرحمۃ نے معوذتین کی تفسیر کی ہے جس میں شیطان کی کاروائی پر گفتگو کرتے ہوئے انہوں نے بڑی پتہ کی بات لی ہے۔ فرماتے ہیں کہ شیطان دو کام کرتا ہے۔ شہوات اور خواہشات کو برانگیختہ کرنا اور شبہات پیدا کرنا۔ مومن کے پاس سب سے بڑی نعمت ایمان ہے۔ عقیدہ ہے، نیک عمل ہے، عقیدہ کو شبہات

سے بگاڑتا ہے۔ دماغ کے اندر مختلف تعلقات پیدا کرتا ہے اور عمل کمزور کرنے کے لئے خواہشات و شہوات کو برانگیختہ کرتا ہے، تاکہ انسان مرتکب گناہ ہو۔ بس شیطان کے پاس یہی دو جال ہیں۔ عمل کمزوری میں صبح کی نماز سے روکتا ہے اور خصوصاً تہجد کی نماز سے کیونکہ فرض نماز کے بعد تہجد کی نماز سب سے زیادہ فضیلت رکھتی ہے۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے ایک مرید نے عرض کیا کہ حضرت میں تہجد کے لئے نہیں اٹھ سکتا۔ سوتے سوتے تہجد ناغہ ہو جاتی ہے، آپ تدبیر بتائیں۔ حضرت نے فرمایا تو کیا ہوا۔ کیونکہ قصور تو بیداری میں ہے، نیند میں کوئی قصور نہیں۔ انما التفریط فی الیقظہ۔۔۔ جیسے حدیث سے ثابت ہے کہ جسکو نیکی کی عادت ہو مثلاً تہجد پڑھنا درس قرآن سننا۔ اگر بیماری کی وجہ سے یہ عبادت رہ جائے، تب بھی بفحوائے حدیث اسے اجر ملے گا۔ دوسرے صاحب نے حضرت تھانوی کو خط لکھا، حضرت کی عادت تھی کہ نہایت مختصر جواب اسی کاغذ پر لکھ دیتے تھے۔ اس نے لکھا کہ تہجد کے وقت آنکھ کھلتی ہے۔ مگر پھر بھی نہیں اٹھ سکتا۔ حضرت نے فرمایا، سستی ہے اور اس کا علاج چستی ہے اور پھر لکھا کہ جب سستی ہے تو مان لو کہ تمہاری اور شیطان کی کشتی ہے۔ تو تم بھی اس کے مقابلہ میں زور لگاؤ ۔۔۔ بہرحال اعوذ باللہ میں خارجی قوت بہت زیادہ ہے اور داخلی قوت یہ ہے کہ اعوذ میں فرمایا گیا ہے کہ میں اللہ سے پناہ مانگتا ہوں، تو مستعاذ (وہ ذات جس کے ذریعہ پناہ مانگی جائے) وہ ذات ہے جو تمام صفات کمالیہ سے موصوف ہے، بڑا وصف صدق ہے۔ جب شیطان آدمی کو شہوات پر ابھارتا ہے۔ مثلاً زنا کرنے، شراب پینے، اور رشوت لینے پر۔ تو اس وقت یہ شخص تصور کرے گا۔ کہ ان گناہوں پر تو سزا ملے گی۔ مگر شیطان دنیوی لحاظ سے فوائد کو سامنے لاتا ہے، اخروی سزا بھلا دیتا ہے۔ انسان کو چاہیئے کہ دنیوی فوائد کو نظر انداز کرتے ہوئے اخروی فوائد کو سامنے رکھے۔ اس لئے تو حضور علیہ السلام پر دشمنوں نے پتھر برسائے۔ آپ نے دعا فرمائی اللھم اھد قومی فانھم لایعلمون۔ (اے اللہ میری قوم کو ہدایت دے کیونکہ یہ ناسمجھ ہے۔) مگر راشی (رشوت خور) پر آپ نے لعنت فرمائی۔ لعن اللہ الراشی والمرتشی والآخذ والمعطی۔ (اللہ تعالیٰ رشوت لینے اور دینے والے پر لعنت بھیجتا ہے۔) ۔۔۔ تو رحمۃ العالمین کی دعا قبول ہوئی۔ شیطان یہ عبادات کا فائدہ نظروں سے غائب کر دیتا ہے۔ تو فرمایا کہ اللہ سے استعاذہ کرو۔ شیطان شکوک پیدا کرے تو اس کا بھی علاج ہے۔ اللہ نے بھلائی کے لئے انبیاء علیہم السلام کو پیدا کیا اور برائیوں کے لئے شیطان کو پیدا کیا۔ شیطان شبہ ڈالے گا کہ حضور علیہ السلام معراج پر ایک رات میں کیسے آئے گئے۔ پہلے جواب یہ ہے کہ معراج تو اللہ نے کرایا۔ اس کیلئے کوئی مشکل نہیں۔ جو بوجھ چیونٹی کے لئے مشکل ہے وہ ہاتھی کے لئے مشکل نہیں۔ کیونکہ اسکی طاقت بڑی

ہے۔ یورپ اور امریکہ کے فلاسفروں کی طاقت چیونٹی کی طاقت ہے۔ اور ادھر اللہ کی طاقت ہے۔ اسریٰ بعبدہ (کہ راتوں رات اپنے بندہ کو لے گیا) اسکی طاقت کی دلیل ہے۔ مثال یوں سمجھو کہ سورج کی روشنی زمین تک ایک سیکنڈ میں پہنچتی ہے، لیکن سورج زمین سے ۹ کروڑ تیس لاکھ میل دور ہے۔ اور بعض ستارے تو اربوں میل دور ہیں۔ لیکن ان کی روشنی ایک سیکنڈ میں دیکھی جاسکتی ہے۔ تو اللہ میاں نے نظیر سے سمجھایا کہ اتنی دور کی چیز ایک سیکنڈ میں تم دیکھ سکتے ہو تو اللہ میاں نے تمام شکوک و شبہات دور کردیئے اور جڑ کاٹ کر رکھ دی کہ تعوذ کرو ورنہ شیطان شبہ ڈالے گا۔ کہ ایسی طاقت حضور کو کوئی نہیں، اس کا ازالہ کیا کہ اعوذ باللہ پڑھو، شیطان مردود ہے تو اس کا شبہ بھی مردود ہے۔

الحمد للہ۔ الخ حضرت علیؓ کا ارشاد ہے کہ اگر میں سورۃ فاتحہ کی تفسیر لکھوں تو اونٹ کے انبار برابر دفتر تیار ہوجائے۔ لفظی ترجمہ تو یہ ہے کہ تمام تعریفیں اللہ کیلئے ہے جو جہانوں کا پروردگار ہے۔ چونکہ مخاطب ۹۵ فیصد عوام ہوتے ہیں۔ اہل علم ۵ فیصد ہوتے ہیں۔ قرآن کا طریق یہ ہے کہ ان کے سمجھانے کا خاص اہتمام کرتا ہے۔ اور عام انداز سے کلام فرماتے ہیں۔ اور یہ قرآنی اعجاز ہے ___ تفسیر اتقان میں ہے کہ قرآن کا یہ اعجاز ہے کہ عوام اور خواص دونوں کی رعایت کرتا ہے۔ بدرالدین زرکشیؒ نے لکھا کہ قرآن میں عوام و خواص دونوں کا لحاظ ہے ___ مٹی کی خاصیت بنانا ہے۔ آگ کی خاصیت بگاڑنا ہے۔ زمین میں بیج ڈالو تو وہ پہلے گل سڑ جاتا ہے۔ مگر پھر یہی دانہ سات سو تک بن جاتا ہے اور اسی کو اگر آگ میں ڈالو تو جل جائے گا۔ شیطان کی خلقت آگ سے ہے۔ اس نے اپنے کو افضل سمجھا اور سجدہ سے انکار کیا۔ حالانکہ معاملہ اس کے برعکس ہے۔ اس میں تواضع نہیں تکبر ہے۔

ایک تعلیم یافتہ نے مجھ سے کہا کہ ایسے خبیث شیطان کو پیدا کرنے میں کیا حکمت تھی۔؟ میں نے کہا اس کے پیدا کرنے میں بڑی حکمت ہے۔ شیطان کا بڑا فائدہ یہ ہے کہ جب اس کا تصور ہوتا ہے۔ تو ایمان کی حفاظت کا خیال آجاتا ہے ایک مکان میں لاکھوں روپے ہوں۔ چور کا خیال ہو تو حفاظت کا اہتمام ہوگا۔ بھارت سے مقابلہ ہوا تو مسلمان بیدار ہوگیا۔ بحری جہاز دفاعی فنڈ وغیرہ جمع کر دیئے تو بغیر مقابلہ کے بات نہیں بنتی۔ دوسری بات یہ ہے کہ مٹی سے کچی اینٹ بنتی ہے مگر اسے آگ میں پکاؤ تو اسکی قیمت بڑھ جاتی ہے۔ ہمارا ایمان کچی اینٹ کی مانند ہے، جو شیطان سے پکتا ہے ___ تو اس کے پیدا کرنے میں حکمتیں ہیں ___ آجکل سیاست جھوٹ غداری اور نفاق کا نام ہے۔ شروع میں انگریز نے جھوٹ غداری سے سیاست چلائی مگر دوسرے ممالک جب بیدار ہوئے انہوں نے اسکی سیاست واضح کر دی تو وہ اس سے پیچھے رہ گئے۔ بخاری میں روایت ہے۔ کان بنی اسرائیل تسوسھم الانبیاء کہ ان کی

سیاست انبیاء علیہم السلام چلاتے ۔ ایک نبی کے انتقال کے بعد دوسرا آجاتا ۔ تو بیسویں صدی کے ان شیطانوں کا کام جو ہے یہ صحیح سیاست نہیں ۔ معلوم ہوا کہ سیاست انبیاء کا کام ہے ۔ سیاست کا معنی ہے حفاظت حقوق اللہ وحقوق العباد ، یعنی وہ نظام وقانون جس میں اللہ کے حقوق اور اللہ کے بندوں کے حقوق کی حفاظت ہو ۔ اب حالت یہ ہے کہ مالگذاری میں کوئی ایک آنہ نہ دے تو جیل جاتے ۔ اور زکوٰۃ کوئی نہ دے تو کوئی نہیں پوچھتا ۔ اللہ کے حقوق کی حفاظت نہیں ۔ ایک آدمی غلط دعوٰی کرے کہ میں پٹواری ہوں اور نہ ہو تو اسے سزا ہے ، کہے کہ میں ڈپٹی کمشنر ہوں اور جھوٹا ہو تو سزا پائے گا ۔ لیکن ایک آدمی کہے کہ میں نبی ہوں تو اس کے لئے کوئی سزا نہیں ، کوئی حرج نہیں ، اللہ کے حقوق کی حفاظت ہی نہیں سلطنت کی معنوں کا طریقہ کیا ہے ۔ حضرت علیؓ کا قصہ سناتا ہوں :

۱ ۔ انسداد فساد داخلی ، اندرونی فساد کا دروازہ بند کرنا ۔ ۲ ۔ انسداد فساد خارجی کہ بیرونی حملہ آور کو روکا جائے ان کا سد باب کیا جائے ۔ ۳ ۔ مقصد سیاست یعنی جنرل قانون کیا ہو ؟ تو اللہ میاں نے سورۃ فاتحہ میں جنرل قانون بھی واضح فرما دیا کہ چونکہ وہ بڑا بادشاہ ہے ۔ لہٰذا چھوٹے بادشاہ کو بھی اس کے طریقہ پر چلنا چاہئے ۔ ایک دفعہ قومی اسمبلی کا اسپیکر میرے پاس آیا ۔ کہ واقعی یہ حدیث ہے : السلطان ظل اللہ فی الارض ۔ اس نے سمجھا کہ شاید انسانی حکومت اللہ کا سایہ ہے ۔ تو انسان جو کچھ کرے اس پر بوجھ نہ ہو ۔ میں نے کہا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ سایہ اصل کے مطابق ہوتا ہے ۔ ایک لکڑی دھوپ میں سیدھی کھڑی کردیں تو سایہ سیدھا ہو گا ، ٹیڑھی لکڑی کھڑی کردیں تو ٹیڑھا سایہ ہوگا ۔ تو سایہ اصل چیز کی مخالفت نہیں کرتا ۔ ثابت ہوا کہ جو اللہ کی مخالفت کرے وہ سایہ نہیں ــــــ وہ بیچارہ کچھ اور سمجھ کر آیا تھا ۔ لیکن مطلب حل نہ ہوا انسداد بغاوت داخلی کا طریقہ یہ ہے کہ لوگوں کے دلوں میں حکومت سے نفرت ہوتی ہے ۔ لوگ اٹھ کھڑے ہوتے ہیں ۔ آجکل مسلمانوں میں انتشار ہے ۔ صدر سوئیکارنو نے حکومت چلائی انگریز اور امریکہ کو پسند نہ آئی لوگوں کو گمراہ کیا ۔ فوج اور سول کے آدمی ساتھ ملائے مسلمانوں میں غدار ہمیشہ پیدا ہوہی جاتے ہیں ۔ دس کروڑ مسلمانوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ۔ ہمارے آزاد قبائل میں دو نواب تھے ۔ ایک انگریز کا حامی دوسرا مخالف ۔ مخالف کو ساتھ ملانے کا ڈھنگ سوچا ۔ دوسرے سے اسکو حرامی کہلوایا ۔ غداری تو ہوتی ہے ۔ مجھ سے مسئلہ پوچھا میں نے کہا حرامی نواب جو انگریز کا مخالف ہے ، اس حلالی سے اچھا ہے ۔ جو انگریز کا دوست ہے ۔ حکومت ایسی ہو کہ ہر آدمی کی زبان سے نکلے سبحان اللہ کیا اچھا کام کیا ــــــ دوسری بات یہ ہے کہ قلوب الرجال بھی حکومت کے ساتھ ہوں ، اس کے لئے چار قواعد ہیں : ۱ ۔ پرورش ۔ ۲ ۔ ان کے مفاد کی کوشش کرے ۔ ۳ ۔ غریب و امیر سے عدل و انصاف کرے ۔ ۴ ۔ دین کے

نفاذ کی کوشش کرے تو عوام کے دل صاف ہوں گے اور حکومت کے ساتھ ہوں گے۔ اسکو فرمایا رب العالمین پرورش کا مسئلہ حل کیا۔ الرحمٰن یعنی دنیا میں والرحیم یعنی آخرت میں عدل کیلئے مالک یوم الدین فرمایا کہ روز جزاء کا مالک ہے۔

ایک دستور اساسی ہوتا ہے کہ پورا نظام حکومت، اس کے گرد گھومتا ہے۔ وہی محور ہوتا ہے۔ اس کے لئے فرمایا و اہدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیہم —— اور دستور اساسی کے لئے دو چیزیں ضروری ہیں۔ تبلیغ حق - تعلیم حق - اسی سے خلفاء راشدین کو عروج نصیب ہوا۔ ملک حجاز سے نکل کر دائرہ مملکت وسیع کیا۔ عرب سے نکل کر حق کی تبلیغ کی لوگوں کو مسلمان بنایا تم بھی لوگوں کو کمیونزم سے نکالو امریکہ روس وسعت مملکت میں لگے ہیں۔ تم کیوں نہیں کرتے۔ یہ دستور اساسی کی شرط ہے کہ لوگوں کو تبلیغ حق کی جائے۔ اسلام پھیلاؤ گے، تبلیغ کرو گے تو امریکہ کے برعکس آپکی قوت و طاقت ہو گی ورنہ اُن کی —— اور کام یہ ہے کہ انعمت علیہم غیر المغضوب علیہم یعنی لوگوں کو گروہ مغضوب علیہم (جن پر خدا کا غضب نازل ہو) سے نکال کر منعم علیہم (جن پر انعام کیا گیا ہے) میں داخل کیا جائے۔

—— تو اہدنا الصراط المستقیم سے ہمارا دستور اساسی شروع ہوتا ہے۔ اور ہمارا کام تبلیغ و اشاعت حق ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے سورۃ فاتحہ میں سیاسی لحاظ سے تمام اصولی باتیں فرما دیں۔ لوگوں کی زبانیں حکومت کی مخالفت کرنے سے بند ہوں، دل حکومت کے ساتھ ہو، عدل و انصاف ہو، مساوات ہو، پرورش ہو، اشیاء ضروری مہیا ہوں۔ اور آخر میں دستور اساسی وضع فرمایا کہ تمہارا مرکز یہ ہے۔ کہ حق کا بول بالا ہو —— اللہ تعالیٰ توفیق عمل دے ——

(بقیہ مقصود حیات)

دن ہے۔ اس کے متعلق ہم کو علم نہیں کہ اس وقت تک زندہ رہ سکیں گے یا نہ اور ایک آج کا دن ہے۔ اس دن کو غنیمت سمجھ کر مولیٰ کو راضی کرنے کی کوشش کرلو۔ بہر حال بیعت سے مقصد اصلاح نفس ہے۔ گناہوں سے توبہ کرنا اور آئندہ نیکیوں کا پختہ ارادہ کرنا —— پیر و مرشد تو راستہ بتاتا ہے —— راستہ بتانا ہے پیر کا کام، راستہ پر چلنا ہے مرید کا کام - اور راستہ پر چلانا ہے اللہ کا کام - وہ پیر جو شریعت کا تابعدار نہیں اس سے بچنا چاہیئے - ہمارے سادات صوفیہ لکھتے ہیں - من لاحظ لہ فی الشریعۃ لاحظ لہ فی الطریقۃ ومن لاحظ لہ فی الطریقۃ لاحظ لہ فی الحقیقۃ ومن لاحظ لہ فی الحقیقۃ لاحظ لہ فی المعرفۃ فالمعرفۃ ثمرۃ الحقیقۃ والحقیقۃ ثمرۃ الطریقۃ والطریقۃ ثمرۃ الشریعۃ فالشریعۃ اصلہا واساسہا والطریقۃ فرعہا وثمرہا - گویا شریعت درخت ہے اور طریقت - حقیقت معرفت اس کے فروع اور پھل ہیں۔ شریعت علم احکام ہے۔ طریقت ان احکام پر عمل کرنا ہے۔ اور حقیقت اس عمل اخلاص کا ہونا ہے۔ اور نتیجہ مشاہدۂ حق ہے —— اللہ تعالیٰ ہم سب کو شریعت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم پر چلنے کی توفیق بخشے ——

علم تصوف کے بارے میں بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ دینِ اسلام میں ایک مخترع اور بے بنیاد چیز ہے۔ بہت سے محقق علماء نے اپنی تصنیفات میں سیر حاصل بحث کرکے دلائل کی روشنی میں ثابت کیا ہے کہ تصوف کے بارے میں یہ خیال تنگ نظری، سطحیت اور تحقیقی علوم میں بے بضاعتی کا نتیجہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جن علماء کو وسیع اور عمیق علم کی نعمت سے نوازا ہے۔ وہ تزکیہ نفس کے اس طریقہ کا ثبوت احادیث اور صحابہ کرام کے عمل میں موجود پاتے ہیں۔

علماء تصوف اور اربابِ سلوک نے ہر دور میں اصلاحِ امت اور دینی انقلابات برپا کرنے کے جو عظیم کارنامے انجام دیئے ہیں، وہ تاریخ اسلام پر عبور رکھنے والوں پر مختلف صدیوں میں جو مصلحین اور مجددین رونما ہوئے ہیں اور جن کی کوششوں اور محنتوں کے نتیجہ میں ارضِ ہند و پاک میں مسلمانوں کی یہ کثیر تعداد آج نظر آتی ہے۔ یہ وہ حضرات ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اسی تصوف سے بہرور کیا تھا۔ چنانچہ اس چودھویں صدی میں اصلاحِ امت اور جہاد کے عظیم کارنامے دینِ اسلام کی بے نظیر خدمت بلکہ تجدید جن دو حضرات حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ اور شیخ الاسلام، مجاہد کبیر مولانا حسین احمد مدنیؒ کے ذریعہ ہوئی ہے۔ یہ دونوں مصنفین ہی علم ظاہری میں وسعت اور تعمق رکھنے کے علاوہ اپنے قلوب میں عظیم نورانی اور روحانی قوت صوفیاء کرام کے ان طرق میں منسلک ہو کر پیدا کر چکے تھے۔۔۔۔ فاضل مضمون نگار کا مضمون جسکو ہم بصد شکریہ الحق میں شائع کر رہے ہیں ان ابحاث کی ایک کڑی ہے، جن میں علماء نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ کہ تصوف کا اصل اساسی کتاب و سنت اور صحابہ کرام اور دوسرے اسلاف کی سیرتوں میں موجود ہے۔ (ادارہ)

حضرت عمرؓ اور تصوف: بظاہر عجیب سی بات معلوم ہوتی ہے، ذہن کے پردہ پر یہ تصویر اصل سے کچھ مختلف نظر آتی ہے، مگر سچ مانئے قصور عکس و شبیہ کا نہیں، بلکہ پردہ ذہنی کا ہے۔ ذہن کا جھول دور ہو اور فکر کی سلوٹیں نکل جائیں تو آپ ہی آپ انکار اقرار میں بدل جائے گا۔ اس سے پہلے ضرورت

اصلاحِ فکر کی ہے۔

یہ تو سب ہی جانتے ہیں کہ حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ' خلیفہ راشد تھے، اور ان کی حکومت خلافت راشدہ تھی، منہاج نبوت کے عین مطابق تھی۔ مگر جو لوگ یہ سب کچھ مانتے ہیں وہ یہ نہیں جانتے کہ "خلیفہ راشد" کون ہوتا ہے "خلافت راشدہ" کیا ہوتی ہے ——— اور رہا "تصوف و احسان"، اس کا صحیح منشا و مفہوم تو خود عام مدعیان تصوف کو بھی کم ہی معلوم ہے، تو اوروں کا کیا ذکر، اس لئے پہلے ان تین اصطلاحوں کا حقیقی مفہوم پیش کرنا ضروری ہے، تاکہ ظاہر بین نگاہ حقیقت کو پا سکے۔

۱۔ خلافت راشدہ دراصل نبوت محمدیؐ کا تتمہ ہے۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کا ارشاد ہے:

ایام خلافت بحقیقت ایام نبوت بود ولیکن وحی از آسمان فرود نمی آمد [1]	زمانۂ خلافت، زمانۂ نبوت ہی تھا۔ مگر (فرق یہ تھا کہ اب) آسمان سے وحی نہ آتی تھی۔

۲۔ خلیفۂ راشد، مراتب ولایت کے اوج انتہا پر ہوتا ہے۔

شاہ صاحب ہی کی مستند زبان میں خلیفۂ راشد وہ ہے کہ:

جوہر نفس او شبیہ جوہر نفس انبیاء آفریدہ باشند و در قوت عاقلۂ او نمونۂ وحی ودیعت نہادہ باشند و آں محدثیت است، و در قوت عاملۂ او نمونۂ از عصمت گذاشتہ و آں صدیقیت است و فرار شیطان از ظل او الا آنکہ استعداد نفس او خواب آلود است تا پیغمبر ایقاظ آں نکند بیدار نہ شود [2]	جس کا جوہر نفس انبیاء کے جوہر نفس کے مشابہ پیدا کیا گیا ہو اور اسکی عقلی قوت میں وحی کی مشابہت رکھی گئی ہو جو محدثیت [3] کہلاتی ہے۔ اور اسکی عملی قوت میں عصمت (انبیاء) کی مشابہت ہو جو صدیقیت کہلاتی ہے۔ اور شیطان اس کے سایہ سے بھاگے، البتہ یہ ضرور ہے کہ اس کے نفس میں یہ صلاحیت اسوقت تک سوئی ہوئی رہتی ہے۔ جب تک پیغمبر اسکو جگا کر بیدار نہ کر دے۔

۳۔ خلیفۂ راشد اپنے دور میں امت کا افضل ترین فرد ہوتا ہے۔

شاہ ولی اللہ قدس سرہٗ کے الفاظ ہیں:

از لوازم خلافت خاصہ آں ست کہ خلیفہ افضل	خلافت راشدہ کے لوازم سے ایک یہ ہے کہ خلیفہ

---

[1] ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء، فصل دوم [2] ازالۃ الخفاء، فصل سوم

[3] محدثیت سے مراد فہم کی وہ اعلیٰ استعداد ہے جس میں عام قوت فکریہ کی محتاجی نہ رہے۔

است باشد در زمان خلافت خود. عقلاً ونقلاً [1]	اپنے وقت میں تمام امت سے افضل ہو، عقلی اور نقلی دونوں دلائل سے۔

۴۔ قرنِ اوّل میں علوم تفسیر، حدیث اور فقہ کی طرح "تصوف" (یا نبوی اصطلاح میں احسان) کی اصطلاحات اور اس فن کی تدوین بلاشبہ نہیں ملتی۔ مگر اس کے صحیح مصداقات سب وہاں موجود ہیں، اس لئے دورِ صحابہ میں لفظ و اصطلاح کو نہ پاکر ان کی اصل وحقیقت کا انکار نادانی ہے۔

۵۔ فیضانِ نبوی کے اثر سے صحابہ کرام کا سلوک نہایت خفی اور بہت مختصر تھا۔ اس لئے سلوک کی تفصیلات وہاں نظر نہیں آتیں مگر حاصلِ سلوک صاف طور پر وہاں دیکھا اور پایا جاسکتا ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ ارشاد فرماتے ہیں:

ودرشاں ایں نعمت عظمیٰ ونسبت عزیز الوجود درقدم اوّل بظہور می آید [2]	ان حضرات (صحابہؓ) پر یہ نعمت عظمیٰ اور نسبت نادرہ پہلے ہی قدم میں ظاہر ہوجاتی ہے۔

۶۔ طریق تصوف کا حاصل اور منتہا سیدی وسید العلماء حضرت مولانا سید سلیمان ندوی نور اللہ مرقدہٗ کی زبان اعجاز بیان میں ہے:

"ہر عمل میں طلب رضا کا شعور پیدا ہونا، یہی اس طریق کا حاصل ہے۔ اور جب خدا اور بندہ کے درمیان یہ علاقہ استوار ہوجاتا ہے، تو صوفیہ کی اصطلاح میں اسکو "نسبت" کہتے ہیں۔ اور قرآن پاک کی زبان میں اسکی تعبیر یحبھم ویحبونہ اور رضی اللہ عنھم ورضوا عنہ کے لفظوں میں کی گئی ہے یا ایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الی ربک راضیۃ مرضیۃ انہی کے لئے نوید بشارت ہے" [3]

پہلے تین توضیحی مقدمات سے یہ بات ذہن میں جم جانی چاہیئے کہ خلیفۂ ثانی حضرت عمر فاروقؓ کے جتنے کمالات ظاہر و باطن ہیں ان کی اصل ان کے "جوہر نفس" کا کمال ان کی "قوت عاقلہ وعاملہ" کی مخصوص کسبی نہیں بلکہ وہبی استعداد ہے۔ اور ان کی فتوحات اور ملکی نظم ونسق کے کارنامے، عام حکمرانوں اور ملک گیروں سے اپنی اصل وحقیقت میں بالکل الگ غیر معمولی روحانی قوت اور ربانی تائیدات کا کرشمہ تھے۔ مگر اہلِ ظاہر کی نگاہ اس باریکی تک نہ پہنچ سکی اور انہوں نے عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو فاتح اعظم، مصلح اعظم، ماہر نظم ونسق تسلیم کرکے گویا اعتراف عظمت کا حق ادا کردیا حالانکہ اس سے

---

[1] ازالۃ الخفا فصل دوم، حضرت شاہ صاحبؒ نے قرآن، حدیث، عمل نبوی اور تعامل صحابہؓ سے بھی اور بے شمار عقلی دلائل سے بھی اس دعویٰ کو ثابت کیا ہے، تفصیل کے لئے اصل کتاب دیکھنی چاہیئے۔

[2] مکتوب (۳۲) دفتر اوّل۔ مکتوبات مجدد الف ثانیؒ [3] "مکاتیب سلیمان" مرتبہ مولانا مسعود عالم مرحوم۔

خلافت راشدہ کی تقدیس اور خلیفہ راشد کے مرتبہ روحانی اور عظمت ایمانی کا کچھ بھی حق ادا نہ ہوا بلکہ تعریف میں تنقیص کا پہلو پیدا ہوگیا، ع

این نہ مدح است او مگر آگاہ نیست

جب تک نگاہ ایمانی میسر نہ آئے ظاہر کی یکسانیت خود مسلمان کے لئے بھی وجہ حجاب ہی بنی رہتی ہے

آب تلخ و آب شیریں ہم عناں　　درمیاں شاں برزخ لایبغیاں (رومیؒ)

بہرکیف ان تین مقدمات کو سمجھنے کے بعد بقیہ چار توضیحی مقدمات کی روشنی میں تصوف و سلوک سے متعلق جو غلطیاں یا غلط فہمیاں ذہن میں تھیں وہ بھی دور ہو چکی ہوں گی اور یہ تسلیم کرنے میں کوئی تامل نہ رہ گیا ہوگا، کہ حاصل تصوف یعنی "مقام رضا" میں تمکن تو دراصل حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور ان کے رفقائے مقدس ہی کا حصہ تھا۔ اور وہی اس رتبہ عالی کی الٰہی سند بھی رکھتے تھے — رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ — ورنہ اوروں کے حق میں تو یہ بات ظن غالب سے زائد درجہ کی نہیں۔

اسی روشنی فکر و نظر کو لئے ہوئے اب سیرت عمرؓ کے خاص خاص باطنی پہلوؤں پر نظر ڈالئے تو اندازہ ہوگا کہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ، صوفی اعظم اور محسن[1] اعظم تھے۔ ان کے جوہر نفس میں، انبیاء کے جوہر نفس سے مشابہت تھی۔ وہ محدث تھے۔ یعنی مہمات امور کی فہم میں وہ عام قوت فکریہ کے محتاج نہ تھے بلکہ اعلیٰ ترین الہامات ربانیہ سے ان کی دستگیری اور رہنمائی ہوتی رہتی تھی، اور ان کے سایہ سے شیطان بھاگتا تھا — یہ سب ان کے معنوی کمالات ہی تھے۔ جو فن تصوف و احسان کے تحت آتے ہیں، اور انہی کا اجمالی تعارف ہمارے موضوع کا منشاء ہے۔

حضرت عمرؓ کا جوہر نفس

ہر انسان کا "نشاکلہ" یا اسکی طبعی استعداد ایک بامانگی عطائے ربانی ہے، حکمت الٰہیہ نے جسکو جو چاہا بنا دیا (یخلق ما یشاء) اسی وہبی استعداد کے مطابق انسانی ترقی کے منازل طے کرتا ہے۔ (کل یعمل علی شاکلتہ) اعلیٰ سے اعلیٰ مربی بھی بس جوہر استعداد ہی کو چمکا سکتا ہے۔ نیست کو ہست کر دینا کسی کے بس کی بات نہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد : خیارکم فی الجاھلیۃ خیارکم فی الاسلام۔ (تم میں جو جاہلیت میں اچھے تھے، اسلام میں بھی اچھے ہیں۔) اسی رمز کا اظہار ہے — اس حقیقت کو نگاہ میں رکھ کر حضرت عمر فاروقؓ کی طبعی استعداد یا ان کے "جوہر نفس" کو دیکھئے تو آنکھیں چکا چوند ہو جائیں گی۔ اللہ اللہ کیا جوہر ہے اور کیسی استعداد کہ وحی ربانی کے چند کلمات کان میں پڑتے ہی دل میں اتر جاتے

---

[1] "محسن" قرآنی و حدیثی اصطلاح میں نہ کہ ہماری زبان کے محاورہ میں۔

ہیں، رگ و پے میں بجلیاں بھر جاتی ہیں اور کائنات ہستی جاگ اٹھتی ہے ---- یکاد زیتھا یضیئ ولولم تمسسہ نار (ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خود بخود جل اٹھے گا۔ اگرچہ آگ اُسے نہ بھی چھوئے)

پھر یہی نہیں بلکہ بارگاہ نبوت کی پہلی حاضری اور نگاہ نبوی کے پہلے ہی فیضان میں جوہر فاروقی کو وہ جلاملی کہ وحی الٰہی سے کامل مناسبت اور خاص ربط وفعتہً پیدا ہوگیا، ان کی زبان حق ترجمان بن گئی اور وہ اتنے بلند ہوگئے کہ خاتم الانبیاء (علیہ الصلوٰۃ والسلام) نے ان کے جوہر نفس کی تعریف یوں فرمائی،

لوکان بعدی نبیٌ لکان عمر بن الخطاب[1] میرے بعد (بالفرض) اگر کوئی نبی ہوتا تو وہ عمر بن خطاب ہوتے

اس کے صاف معنی یہی تو ہوئے کہ ذات محمدی (علی صاحبہا الصلوٰت والتحیات) پر نبوت کا ختم ہو جانا الگ بات ہے ورنہ وہ استعداد یا وہ شاکلہ اور جوہر نفس جو منصب نبوت کیلئے ضروری ہے وہ یہاں موجود تھی، اسی شرف خاص کا اظہار شاہ ولی اللہ قدس سرہٗ نے یوں فرمایا کہ ---- جوہر نفس او شبیہ جوہر نفس انبیاء آفریدہ باشند۔

اہل ظاہر کا بڑا ظلم ہے، کہ ان کمالات کو جو اس اعلیٰ ترین روحانی استعداد کا کرشمہ تھے، حضرت عمرؓ کے محض عقل و فکر کا کرشمہ سمجھتے ہیں۔ اور اپنی دانست میں ان کی تعریف کا حق بھی ادا کرتے ہیں۔

ع ---- این نہ مدح ست او مگر آگاہ نیست

دست نبویؐ کی جلابخشی

جوہر نفس کا اندازہ کچھ ہو چکا، اب نگاہ کا رخ اسطرف کیجئے کہ یہ جوہر کن ہاتھوں سے ترش رہا ہے۔ ؟ ---- ادیٔ اعظم، نبیٔ خاتم (صلی اللہ علیہ وسلم) جنکی ایک اچٹتی نگاہ خذف کو نگین بنا دے۔ وہ عمرؓ پر توجہ فرمائیں، زبان مبارک پر دعا ہے، دست پاک سے جلابخشی ہو رہی ہے۔ اور قلب فیض گنجینہ سے نور معرفت عطا ہو رہا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ جو اس وقت سن شعور میں تھے، اپنے والد ماجد کی بارگاہ رسالت پناہ میں اس پہلی حاضری کا ذکر یوں فرماتے ہیں:

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ضرب صدر عمر بن الخطاب بیدہ حین اسلم ثلاث مراۃ وھو یقول اللھم اخرج مافی صدرہٖ من غل وابدلہٗ ایماناً یقول ذٰلک ثلاثاً۔[2]	تحقیق کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمر بن خطاب کے سینہ پر تین مرتبہ دست فیض پھیرا جب وہ اسلام لائے، اور تین بار یہ دعا فرمائی کہ بار الٰہا اسکے سینہ میں جو کھوٹ ہو اسکو دور فرما اور اس کے بجائے ایمان بھر دے۔

---

[1] ترمذی بروایت عبداللہ بن عمرؓ [2] الاستیعاب ۲ : ۴۶۲

جوہر بھی بے مثل اور جوہری بھی بے نظیر۔ نتیجہ یہ کہ آناً فاناً جہل و ظلم گیا، علم و عرفان آیا، غفلت مٹی، حضوری ملی، اور ذات حق سے وہ نسبت عالی اور ربط لازوال قائم ہوگیا۔ جو صحابہؓ کے زمرۂ عالی میں بھی اعلیٰ و ارفع تسلیم کیا گیا، شاہ ولی اللہ قدس سرہ کے الفاظ میں استعداد نفس خواب آلود تھی، پیغمبر کے جگانے سے جاگ اٹھی اور قوت عاقلہ میں جو وحی سے مشابہت ودیعت تھی اور قوت عاملہ میں جو عصمت سے مشابہت رکھی گئی تھی، وہ اب نمایاں ہوگئی ـــــ

زبان و قلب عمرؓ

چنانچہ اب حضرت عمرؓ کی زبان مبارک اور ان کا قلب اظہار حق کا معیار اور شناخت حق کی کسوٹی بن گیا تھا، صحابہ کرامؓ کا ارشاد ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں جب عمر فاروقؓ کچھ فرماتے یا ان کی رائے کسی جانب ہوتی تو ـــــ

ـــــ "قرآن حضرت عمر ہی کی رائے کے موافق نازل ہوتا" ؎۱

خود محمد عربی (فداہ روحی) کا ارشاد بھی اس ضمن میں یہ رہا ؛

ان اللہ جعل الحق علی لسان عمر و قلبہ ؎۲ اللہ تعالیٰ نے حق کو عمر کی زبان اور قلب پر موقوف فرما دیا ہے۔

محدثیت یا موافقات عمرؓ

علمائے ربانی نے ایسے پندرہ مواقع گنائے ہیں جن میں قرآن پاک نے بے غبار طور پر حضرت عمرؓ کی یا تو رائے کی تائید کی ہے۔ یا ان کے حسب مراد آیت اتر آئی ہے۔ یا بلفظہٖ ان کا قول وحی الٰہی بن گیا ہے جو ان کی "محدثیت" کی کھلی دلیل ہے ـــــ طوالت سے بچنے کے لئے یہاں ان تین قسم کی تائیدات یا "موافقات" کی صرف ایک ایک مثال ملاحظہ ہو :-

۱۔ رائے کی تائید | بدری قیدیوں کے متعلق صدیق اکبرؓ جذبہ سے کر چھوڑ دینے کا مشورہ دے رہے تھے اور عمر فاروقؓ ان کے قتل پر مصر تھے، رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا رجحان صدیق اکبرؓ ہی کی طرف تھا۔ مگر وحی الٰہی جو آئی تو حضرت عمرؓ کی تائید لئے ہوئے ـــــ ما کان لنبی ان یکون لہ اسریٰ .... ان اللہ غفور رحیم۔ (انفال)

۲۔ مراد کی تکمیل | آیت حجاب اترنے سے پہلے کاشانۂ نبوت میں ہر کوئی آتا جاتا تھا، حضرت عمرؓ کو یہ بات اچھی نہ لگی۔ حضور نبویؐ میں عرض رسا ہوئے کہ یہ سلسلہ بند فرما دیا جائے اور ازواج مطہرات بھی پردے کے بغیر باہر نہ نکلا کریں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس مشورہ پر حکم الٰہی کے منتظر ہو کر خاموش

؎۱ و ؎۲ مشکوٰۃ المصابیح - باب - مناقب صحابہؓ، فصل ثانی

ہوتا ہے۔ ایسے میں سورۂ احزاب کی آیت حضرت عمرؓ کے حسب مراد اتر آئی : واذا سألتموھن متاعاً فاسئلوھن من وراء حجاب۔

۳- قول کی قبولیت | عبداللہ بن عباسؓ راوی ہیں کہ جب سورۂ مومنون کی آیت ولقد خلقنا الانسان من سلالۃ من طین۔ نازل ہوئی تو ایک کیف عبدیت میں ڈوب کر زبان عمرؓ سے بے ساختہ نکلا ـــ فتبارک اللہ احسن الخالقین ـــ اور فوراً ہی جبرئیل امین اس قول کی مقبولیت کا مژدہ لیکر نازل ہوئے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : "اے عمرؓ! جو فقرہ تمہاری زبان سے نکلا تھا، وہی خدا نے بھی نازل فرمایا۔"

اللہ اکبر! کیا الہام ہے کہ وحیٔ متلو کا شرف پاگیا۔ یہ ہے "وحیٔ الٰہی سے مشابہت" کی شان اور یہ ہے "قوتِ عاقلہ" کا وہ امتیاز جو خلفائے راشدین کا امتیاز تھا۔

معرفتِ الٰہیہ | حضرت عمرؓ کی فراست و فطانت کا اعتراف اپنے پرائیوں سب ہی کو ہے، اسی طرح ان کی "اولیات" (INITIATIVES) یعنی جن امور کی پہل کا سہرا ان کے سر ہے، خواہ وہ مسائل دین سے متعلق ہوں یا تدبیر مملکت سے متعلق، ان کی فہرست بھی ایک منفرد نوعیت کی چیز ہے، سیرت فاروقی کے اس پہلو کو اجاگر کرنے کا حق علامہ شبلی نعمانیؒ نے خوب ادا کیا ہے، اس لئے اسکی تفصیل تحصیل حاصل ہے، یہاں صرف فاروق اعظمؓ کی معرفت آگاہی یا ان کے "علم باللہ" اور اسکی عظمت خاص کی طرف اشارہ مقصود ہے، پہلے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی جلالتِ شان کو ذہن میں رکھئے اور پھر ان کے بچے تلے الفاظ کی گہرائی تک پہنچنے کی کوشش کیجئے، حضرت عمرؓ کی وفات پر فرما رہے ہیں،

لما مات عمر انی لاحسب انہ قد ذھب	جب عمرؓ نے وفات پائی تو میں نے سمجھا کہ علم کا
بتسعۃ اعشار العلم فیل لہ تقول	دسواں حصہ چلا گیا، لوگوں نے کہا آپ یوں کہتے
ھذا وفینا جملۃ من الصحابۃؓ قال انی	ہیں۔ حالانکہ ہم میں تمام صحابہ موجود ہیں۔ فرمایا علم
اعنی العلم الذی تریدون و انما	سے جو تم مراد لیتے ہو وہ میری مراد نہیں۔ بلکہ میری
اعنی العلم باللہ تعالیٰ۔ [۱]	مراد ہے اللہ تعالیٰ کی معرفت کا علم۔

اس سے پتہ چلا کہ یہ بات صحابہ کو بھی مسلم تھی "علم معرفت الٰہی" عام علم کتابی سے الگ ایک اعلیٰ و اشرف علم ہے، اور حضرت عمرؓ اس علم معرفت کے مہر درخشندہ تھے۔ اور یہ کہ حضرت عمرؓ

---

[۱] ابن الجوزی۔ سیرت عمرؓ

کے تفقہ اور تدبیر مملکت کے کمالات اُن کے اس علم معرفت سے کم رتبہ تھے، گو وہ بھی ہماری اصلاحی عقل و فکر کے نتائج نہ تھے،

خشیتِ الٰہی ہم نے آخری توضیحی مقدمہ میں بتایا ہے کہ تصوف و احسان کا منتہا، مرضئ عبد و مرضئ حق میں یگانگت کا پیدا ہو جانا ہے، اور حضرات صحابہؓ کی توصیف قرآنِ پاک نے اسی سے کی ہے کہ رضی اللہ عنھم ورضوا عنہ، مگر خود اس "تراضئ طرفین" کو خشیتِ الٰہی کا ثمرہ قرار دیا گیا ہے ــــــ ذالک لمن خشی ربہ ــــ اب چونکہ حضرت عمرؓ صحابہ کرام کے زمرہ میں امتیازی شان کے مالک ہیں۔ اس لئے ان کی سیرت میں صفتِ خشیت کا ظہور بھی خاص ہی ہونا چاہیئے، اور ہوا، ان کی ایک ایک ادا خشیتِ الٰہی میں ڈوبی ہوئی تھی، مگر عام طور پر ارباب سیر نے اس پہلو کو پوری طرح نہ دیکھا نہ دکھایا اور ہمارے لئے بھی اس پورے دفتر کا کھولنا مشکل ہے البتہ مشتے نمونہ از خروارے" چند باتیں پیش ہیں ان سے حضرت عمرؓ کے خوف و خشیتِ الٰہی کا اندازہ ہو جائے گا۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ یوں فرمایا کرتے تھے :

لو ماتت جدی بطف الفرات (ای شاطئہ) لخشیت ان یحاسب اللہ بہ عمر [۱] — اگر بکری کا بچہ فرات کے کنارہ پر مر جائے تو میں ڈرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اسکا محاسبہ عمر سے نہ کر بیٹھے۔

اسی طرح عبداللہ بن عامرؓ کا قول ہے کہ میں نے حضرت عمرؓ کو دیکھا کہ زمین سے مٹھی بھر مٹی اٹھائی اور فرمایا :

لیتنی لم اخلق، لیت امی لم تلدنی، لیتنی لم اکن شیئاً، لیتنی کنت نسیاً منسیا۔ [۲] — کاش میں پیدا نہ ہوتا، کاش میری ماں مجھ کو نہ جنتی، کاش میں کچھ نہ ہوتا، کاش میں نیست و نابود ہو گیا ہوتا۔

یہ ہے ایک خلیفۂ راشد اور اُس امیر المومنین کے خوف و خشیت کا حال جس کے رعب و جلال سے کائنات لرزتی تھی، یہ عام سلاطین اور آمروں کی مصنوعی صولت و شوکت نہیں تھی بلکہ خاص ہیبت الٰہیہ کا اثر تھا جو ذاتِ عمرؓ پر چھاگئی تھی اور ظاہری حشم قدم سے بے نیاز کل ماحول کو متاثر کر رہی تھی۔ بقول عارف رومیؒ ؎

ہیبتِ حق است ایں از خلق نیست ——— ہیبت ایں مرد صاحب دلق نیست

---

[۱] [۲] سیرت عمر بن الخطاب از علی طنطاوی بحوالہ ابن الجوزی ۱۲۰ والریاض النفرہ ۲ : ۵۵

بہرکیف اس خشیت الٰہی کی وجہ سے حضرت عمرؓ کو رات کی نیند میسر تھی نہ دن کا چین، دن کو رعایا کے حقوق کا خیال نچلا نہ بیٹھنے دیتا تھا، اور رات کو اپنے نفس کے محاسبہ سے نیند اچاٹ ہو جاتی تھی، خود فرماتے تھے:

اذا نمت فی اللیل ضیعت نفسی وان	اگر میں رات کو سو جاؤں تو میں نے اپنے نفس کو برباد
نمت فی النھار ضیعت رعیتی [۱]	کیا اور اگر دن کو سو جاؤں تو میں نے اپنی رعایا کا نقصان کیا۔

اس خوف سے اس قدر رویا کرتے تھے کہ عبداللہ بن عیسیٰؓ فرماتے ہیں:

کان فی وجہ عمر خطان اسودان	حضرت عمرؓ کے چہرہ پر آنسوؤں کے بہنے سے دو سیاہ
من البکاء [۲]	لکیریں پڑ گئی تھیں۔

اور خوف و خشیت کا یہ اثر کچھ وقتی نوعیت کا نہ تھا بلکہ پورے دور حیات پر چھایا ہوا تھا، حتیٰ کہ عین اس دنیا سے رخصت ہوتے ہوئے حضرت عمرؓ کو اسی کرب و بلا میں مبتلا یہ گڑگڑاتے ہوئے سنا گیا:

ویلی وویل امی ان لم یغفر اللہ لی [۳]	بربادی ہے میری اور میری ماں کی اگر اللہ نے مجھ کو نہ بخشا۔

یہ چند باتیں اظہار مدعا کے لئے بس ہیں، تفصیل دیکھنا ہو تو سیرۃ عمر بن الخطاب — مؤلفہ شیخ علی الطنطاوی و ناجی الطنطاوی قابل دید ہے۔

احتساب نفس

خشیت کا لازمی اثر احتساب نفس ہے، حضرت عمرؓ کے حکام اور رعایا پر احتساب کے کارنامے بہت بیان کئے جاتے ہیں۔ مگر توجہ اس طرف بہت کم کی جاتی ہے۔ کہ وہ خود اپنے نفس کے کتنے بڑے محتسب تھے، حالانکہ اپنا احتساب ہی وجہ امتیاز ہے۔ اس احتساب نفس کا صرف ایک واقعہ ملاحظہ ہو۔

امیر المومنین ایک روز ممبر پر چڑھتے ہیں، نظر ہر آن نفس پر لگی ہوئی تھی جانے کیا تغیر محسوس ہوا کہ بھرے مجمع میں اپنے نفس پر زجر کرتے ہوئے یہ فرمایا، "ایک دن وہ تھا کہ میں اپنی خالہ کی بکریاں چرایا کرتا تھا۔ اور وہ اس کے عوض میں مٹھی بھر کھجور دے دیا کرتی تھیں، اور آج میرا یہ زمانہ ہے"۔

بس یہ فرما کر ممبر سے اتر آئے۔ حضرت عبدالرحمن بن عوف نے کہا کہ یہ تو آپ نے اپنی تنقیص کی — فرمایا تنہائی میں میرے دل نے کہا کہ تم امیر المومنین ہو، تم سے افضل کون ہو سکتا ہے۔ اس لئے میں نے چاہا کہ اسکو اپنی حقیقت بتا دوں۔" [۴]

---

[۱] سیرۃ عمر بن الخطاب از علی طنطاوی بحوالہ تنبیہ المغترین للشعرانی ۴۸

[۲] ایضاً بحوالہ الحلیہ ۱: ۵۱ [۳] ایضاً ابن سعد ۱: ۲۶۲ و ابن الجوزی ۱۹۹

[۴] نزھۃ الابرار۔ تذکرۂ حضرت عمرؓ۔

اظہارِ نعمت یا شکرانۂ فضیلت

اس احتساب کے ساتھ اگر کسی عطائے ربانی کا اظہار کیا جائے تو وہ "فاما بنعمۃ ربک فحدث" کے امر ربانی کی محض تعمیل ہے، اس نزاکت کو بجز ماہرینِ فنِ تصوف کے نہ کوئی جان سکتا ہے نہ پہچان سکتا ہے۔ اظہارِ فخر کیا ہے اور تحدیثِ نعمت کیا ہے؟ حالانکہ ایک میں بندہ کی ہلاکت ہے اور دوسرے میں نعمت کی حفاظت بلکہ اس کے ازدیاد کا سامان ــــ عمر فاروقؓ کے احتسابِ نفس کا حال دیکھتے ہوئے یہ بڑی سوئے ادبی ہوگی اگر ان کے کسی اظہارِ نعمت کو عام سلاطین کے اظہارِ فخر و غرور پر محمول کیا جائے، البتہ کوشش اس بات کی ہونی چاہیئے کہ وہ رمز معلوم ہو جائے جو اس اظہارِ عام میں پوشیدہ ہے ــــ

دیکھیئے حضرت عمرؓ تختِ خلافت پر آچکے ہیں۔ اور صحابہ کرام کے مقدس مجمع سے مخاطب ہیں، اپنی اس فضیلتِ خداداد کا شکرانہ اور خلافتِ راشدہ کے مقام و منصب کا اظہار کس قدر صاف و صریح الفاظ میں فرما رہے ہیں:

الحمد لله الذی صیرنی بحیث لیس فوقی احد۔ [1]	اس خدا کی تعریف جس نے مجھے ایسا بنا دیا کہ آج مجھ سے برتر کوئی نہیں۔

اس اظہارِ "لیس فوقی احد" کو سن کر سب سرِ تسلیم کئے ہوئے ہیں۔ اور سب کے سب حضرت عمرؓ کی ظاہری و معنوی، قالبی و قلبی، حکومتی اور روحانی فضیلت پر مہر تصدیق ثبت کر رہے ہیں۔ ورنہ اس مجمع مقدس کا ایک ایک فرد حق کے معاملہ میں اسقدر بیباک تھا کہ فوراً ٹوک دیتا کہ اے عمر! تمہاری ظاہری برتری مسلم، مگر باطنی پیشوائی کو ہم تسلیم نہیں کرتے، مگر جب کسی ایک نے بھی ایسا نہیں کیا تو اپنے دور میں حضرت عمرؓ کی فضیلت ہر اعتبار سے ثابت ہوگئی، اور معلوم ہوا کہ ان کے دورِ خلافت میں قسامِ ازل اپنے عطا کی تقسیم انہیں کے ہاتھوں کروا رہا تھا، خواہ وہ مالِ غنیمت ہو یا انوارِ ولایت ہوں، اسی جامعیتِ کمال کی طرف شاہ ولی اللہ قدس سرہٗ نے ان الفاظ میں اشارہ فرمایا کہ:

"از لوازمِ خلافت خاصہ آں ست کہ خلیفہ افضل امت باشد در زمان خلافت خود۔"

فرارِ شیطان

حضرت شاہ ولی اللہ نے خلیفہ راشد کے روحانی کمالات کے ضمن میں یہ بھی فرمایا ہے کہ ــــ "فرار شیطان از ظل او" ــــ

خلیفہ ثانی حضرت عمرؓ کے متعلق تو ان کے اس وصف کی تصدیق خود تعلق نبوی سے حاصل ہے۔

---

[1] ارشاد الطالبین مصنفہ حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ بحوالہ دیلمی در فردوس و ابونعیم در حلیہ۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

یا عمر مالقیک الشیطان سالکا فجاً	اے عمر جب شیطان تم سے کسی راستہ میں ملتا
الا سلک فجاً غیر فجک۔ [1]	ہے تو اپنا راستہ بدل دیتا ہے۔

اس کے صاف معانی یہی ہوئے کہ مظہرِ ہدایت کے سامنے مظہرِ ضلالت کی کیا مجال ہے کہ ٹھہر سکے، اور یہی بات ہم پورے زور و قوت سے ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کا یہ روحانی ترفع ہے کہ وہ ہدایتِ ربانی کے مظہر بن گئے تھے۔ اس لئے ان سے ہدایت ہی ہدایت پھیلتی رہی، اہلِ ظاہر کی نظر فاروقی کارناموں پر تو کچھ ہے بھی، مگر نفسِ فاروقیت پر بالکل نہیں ــــــ

اصطلاح و محاورۂ تصوّف میں چند باتیں

اب تک ہم نے حتی الامکان اصطلاح اور محاورۂ فن سے بچتے ہوئے سیرتِ فاروقی میں تصوف کے حقائق کی نشاندہی کی ہے، اب کچھ اصطلاح میں گفتگو کرنا ہے ــــــ

حضرت عمرؓ مراد ہیں

اہلِ ظاہر کے نزدیک تو حضرت عمرؓ کا امتیاز ان کے دورِ خلافت پر منحصر ہے۔ مگر صوفیانہ نگاہ ان کے امتیاز کو قبل خلافت ہی نہیں بلکہ ان کے اصل جوہر اور ان کی ابتداء میں دیکھتی ہے، وجہ اسکی یہ ہے کہ وہ اسلام میں "مرید" ہو کر نہیں آئے بلکہ "مراد" بن کر آئے ہیں۔ ان کو حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا نے کھینچا ہے، حضورؐ نے ان کو اللہ تعالیٰ سے یہ کہہ کر مانگا تھا ــــــ

اللھم اعز الاسلام باحب ھذین	اے اللہ ابوجہل اور عمر بن خطاب میں سے جو تجھے
الرجلین الیک بابی جھل و عمر بن	محبوب ہو اس سے اسلام کو عزت عطا فرما۔
الخطاب۔ [2]	

چنانچہ جب اس دعا کی قبولیت نے ظہور کیا اور نگاہِ ربّ العزت میں عمر بن خطاب ہی محبوب ٹھہرے اور انہی کے ذریعہ دین کی عزت افزائی مقدر ٹھہری۔ تو ابن ماجہ کی روایت ہے کہ حضرت عمرؓ کے حلقہ بگوش اسلام ہونے پر جبرئیل علیہ السلام آئے اور بارگاہِ نبوت میں عرض کی کہ: "آسمان کے لوگ آپ کو عمر کے اسلام لانے پر بشارت دیتے ہیں"۔ ــــــ "مرادیت عمرؓ" کی یہ کس قدر کھلی اور مستحکم دلیل ہے ــــــ

---

[1] ــــ [2] ترمذی بروایت عبداللہ بن عمر

حضرت عمرؓ مجذوب سالک "تھے"

فن تصوف وسلوک کے واقف کار جانتے ہیں کہ جو "مراد" ہوتا ہے اسکو دولت "جذب" پہلے ملتی ہے۔ اور مدارج سلوک کی سیر بعد میں کرائی جاتی ہے، یہی "محبیت" کی نشانی ہے اور اسی کو اصطلاح میں "مجذوب سالک" کہا جاتا ہے۔ لہٰذا حضرت عمرؓ بھی مجذوب سالک ہوئے، چنانچہ حضرت مجدد الف ثانیؒ نے پوری صراحت سے تحریر فرمایا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہ تو "سالک مجذوب"[1] ہیں۔ مگر بقیہ تینوں خلفاء کا حال یہ ہے کہ:

فان جذبھم مقدم علی سلوکھم کما	یعنی ان حضرات (ثلثہ) کا جذبہ ان کے سلوک
ھو حال حضرۃ الرسالۃ المصطفویہ	پر اسی طرح مقدم ہے جیسے خود حضرت رسالت
علیہ وعلی الہ الصلوات والتسلیمات	پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حال ہے۔

(معارف لدنیہ - معرفت ۲۲)

---

[1] اور "سالک مجذوب" کے متعلق حضرت کا یہ ارشاد ہے۔ کہ وہ "مجذوب سالک" سے معرفت میں بڑھا ہوا ہے، مگر اس معرفت میں جو مقامات عشرہ زہد، توکل، صبر، رضا وغیرہ سے متعلق ہے ـــــ البتہ "مجذوب سالک" محبت میں "سالک مجذوب" سے بڑھا ہوا ہے۔ اور ذات وصفات الٰہی کی معرفت اسکو زیادہ حاصل ہوتی ہے۔ یہ حاصل ہے معارف لدنیہ کی معرفت (۲۳) کا اور اس سے اصحاب ثلاثہ کی فضیلت حضرت علی کرم اللہ وجہٗ پر ثابت فرمائی گئی ہے ـــــ حضرت مجدد الف ثانیؒ کی یہ بات متفق علیہ نہیں ہے، اکابر متقدمین حضرت علی کرم اللہ وجہ کو ولایت میں (جو معرفت الٰہی کے شعبہ کا نام ہے) افضل اور فائق تر سمجھتے ہیں۔ اور حضرت شیخ اکبرؒ تو حضرت علی کرم اللہ وجہ کو "خاتم الولایت" مانتے ہیں۔ (دیکھئے الحل الاقوم)۔ ہماری کیا مجال کہ اکابر اہل اللہ کے اس اختلاف میں حکم بننے کی جرأت کریں، البتہ اس سلسلہ میں اپنے ایک بزرگ عالم وعارف حضرت مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ کا قول بہت صاف اور دل لگتا ہے، فرماتے تھے کہ قدرت نے عورتوں میں سے ایک (یعنی عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا) اور مردوں میں سے ایک (یعنی علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ) کو نبوی تربیت کے لئے خاص کر لیا تھا، ان دونوں نے ابتدائے شعور ہی سے نبوی تجلیات میں پرورش پائی اور ان کے دل ودماغ غیر نبوی اثرات سے ہمیشہ محفوظ رہے، یہ منفرد فضیلت عورتوں میں حضرت عائشہؓ اور مردوں میں حضرت علی کرم اللہ وجہ ہی کو حاصل تھی!

حضرت عمرؓ "قدمِ موسیٰ" پر

یہ تو سب ہی مانتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کو ابراہیمیت، موسویت اور عیسویت ـــ غرض ـــ آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری ـــ والی جامعیت کا خاص شرف حاصل ہے، البتہ حضورِ اقدس ہی کے فیضانِ روحانی سے پچھلے انبیاء کی طرح اگلے اولیاء کاملین میں بھی کسی میں حضرت نوحؑ والے غیظ وغضب کا جلال کسی میں موسوی حکومت وسطوت کا شکوہ، کسی میں عیسوی زہد وعفو کا جمال نمایاں دیکھا جاسکتا ہے، صوفیاءِ کرام اپنی بولی میں افرادِ امتِ محمدیہ کے ان شیون کی تعبیر اس طرح کرتے ہیں کہ فلاں بزرگ "قدمِ نوحؑ" پر ہیں، فلاں "قدمِ موسیٰؑ" پر اور فلاں "قدمِ عیسیٰؑ" پر صوفیاء کے اس نقطۂ نظر سے سیرتِ عمرؓ کا جائزہ لیا جائے تو اس میں یہ تمام خشیت وزہد، تنظیمِ ملت، حکومت سطوت اور جاہ وجلال کی خصوصیات اس قدر نمایاں نظر آتی ہیں کہ ہم بلاپس وپیش یہ کہہ سکتے ہیں کہ فاروقِ اعظم "قدمِ موسیٰؑ" پر ہیں ـــ اور یہ بات کم ازکم حضرات شیخینؓ اور حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کے بارے میں تو محض صوفیاء کے کہنے کی نہیں ہے۔ بلکہ نطق نبوی سے اسکی کھلی تائید مل جاتی ہے، دیکھئے غزوۂ بدر میں جب کفارِ قریش گرفتار ہوکر آئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ سے مشورہ طلب کیا، حضرت عبداللہ بن رواحہؓ نے کہا کہ ان کو آگ میں جلا دیا جائے اور حضرت عمرؓ نے کہا کہ ان کو قتل کر دیا جائے، لیکن حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ یہ آپ کے خاندان اور قوم کے ہیں، ان پر رحم فرمائیے، آپؐ نے ان دونوں فریقوں کے مشورے سنکر فرمایا کہ ایک فریق اپنے پہلے بھائیوں نوحؑ اور موسیٰؑ کی طرح ہے۔ نوحؑ نے کہا پروردگار زمین پر کافروں میں سے کسی گھر بسانے والے کو مت چھوڑ اور موسیٰؑ نے کہا، ہمارے پروردگار ان کی دولت میٹ دے اور ان کے دلوں کو سخت کرے، اور دوسرا فریق ابراہیمؑ کی طرح ہے، ابراہیمؑ نے کہا جس نے میری پیروی کی وہ مجھ سے ہے اور جس نے نافرمانی کی تو تو بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔ اور عیسیٰؑ کی طرح ہے، کہ عیسیٰؑ نے کہا اگر تو ان کو سزا دے تو وہ تیرے بندے ہیں۔ اور تو معاف کردے تو تو قدرت والا اور حکمت والا ہے۔ (مستدرک حاکم ۳ ص ۲۱، ۲۲) اس سے معلوم ہوا کہ آپ نے عبداللہ بن رواحہؓ اور حضرت عمرؓ کو حضرت نوحؑ اور حضرت موسیٰؑ کی نذیری شان اور حضرت ابوبکرؓ کو حضرت ابراہیمؑ اور حضرت عیسیٰؑ کی بشیری شان کی مثال میں ظاہر فرمایا"۔[1]

---

[1] "خلیل اللہ کی بشریت ـــ حضرات انبیاء کے اوصافِ غالبہ" از علامہ فہامہ مولانا سید سلیمان ندویؒ۔ یہ مقالہ مقالات سید سلیمان ندوی حصہ اول میں شریک ہے۔

حضرت گنج مراد آبادی کی تصدیق

قطب آفاق حضرت شاہ فضل الرحمن گنج مراد آبادیؒ جو اعلیٰ روحانی و عرفانی منزلت کے حامل ہونے کے علاوہ اتنے بڑے محدث تھے کہ محدث کبیر حضرت مولانا احمد علی سہارنپوریؒ نے اُن کو بخاری شریف استفادہ کی غرض سے سنائی تھی، حضرت موصوف کا بھی یہی ارشاد ہے کہ:

"بزرگان قادریہ میں "نسبت فاروقی" کا ظہور ہے، اور نسبت حضرت فاروق اعظم کی موسوی ہے۔ اسی سے جلال الٰہی اور تصرفات عظیم الشان کا ظہور حضرت غوث اعظمؒ سے بہت ہوا، اور قرب شہادت میں بڑا درجہ پایا" [1]

مجدد الف ثانیؒ کا عجیب انکشاف
حضرت عمرؓ "قطب ابدال" تھے

حضرت عمرؓ کا قدم موسیٰؑ پر ہونا ثابت ہو چکا اور یوں بھی چشم بصیرت پر ظاہر ہی تھا، لیکن اگر سوال یہ کیا جائے کہ خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ میں آپ کا روحانی مقام کیا تھا؟ تو اس کا جواب حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ سے ملے گا۔ اپنے مشہور رسالہ معارف لدنیہ میں معرفت (۳۵) کے تحت حضرت مجددؒ نے پہلے تو "قطب ارشاد" اور "قطب ابدال" کے فرق کو واضح فرمایا ہے کہ ایمان، ہدایت، نیکیوں کی توفیق، برائیوں سے توبہ، یہ "قطب ارشاد" کے فیوض کا نتیجہ ہیں اور قطب ارشاد قدم نبوی پر ہوتا ہے، اس کے بالمقابل "قطب ابدال" دنیا کے تکوینی امور جیسے بلاؤں کا ازالہ، امراض کا خاتمہ، حصول عافیت اور رزق رسانی وغیرہ کا ذریعہ ہوتا ہے۔ اور اسکو پل بھر کی فرصت نہیں ہوتی بلکہ ہمیشہ مشغول ہی رہتا ہے ——— اس فرق کی وضاحت کے بعد دور حضرت رسالت پناہؐ میں عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے مقام باطنی سے متعلق یہ عجیب انکشاف فرمایا ہے:

وقد کان صلی اللہ علیہ وسلم	خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو قطب ارشاد تھے اور
قطب الارشاد وکان قطب الابدال	اسی دور میں عمرؓ اور اویس قرنیؒ قطب ابدال
فی ذلک الوقت عمرؓ و اویس القرنیؒ	تھے۔

تجدید دین کا کارنامہ "نسبت فاروقی" کے ذریعہ انجام پاتا ہے

رد و قبول اہل بصیرت پر چھوڑتے ہوئے مکتب "تصوف و احسان" کے ابجد خوان کی حیثیت میں "نسبت فاروقی" سے متعلق ایک غور طلب بات پیش کرنے کو جی چاہتا ہے۔ اور وہ

---

[1] کمالات رحمانی مرتبہ حضرت مولانا شاہ تجمل حسینؒ۔

یہ ہے کہ ہر نسبت کا ایک لون (رنگ) ہوتا ہے، اور جب کبھی کسی خاص نسبت کا ظہور کہیں ہوتا ہے تو اس صاحب نسبت سے اسی رنگ کے مخصوص کمالات ظاہر ہوتے ہیں، اور نسبتوں کے ان لوان کے اشارات خود احادیث نبویہ سے ملتے ہیں۔ مثلاً حضرات نقشبندیہ جو نسبت صدیقی کے حامل ہیں ان میں سینہ بہ سینہ القاء کا ظہور زیادہ ہے۔ اس کا اشارہ اس ارشاد نبوی میں صاف ملتا ہے کہ:

ماصب اللہ فی صدری شیأً — اللہ تعالیٰ نے میرے سینہ میں کوئی بات ایسی نہیں ڈالی

الاصببتہ فی صدر ابی بکرؓ — جو میں نے ابوبکرؓ کے سینہ میں ڈال نہ دی ہو۔

یا مثلاً حضرات چشتیہ جو نسبت علوی کے حامل ہیں، ان میں فنائیت کا کمال بہت زیادہ ہے، یہ فیض عینیت کا اثر ہے جسکا اشارہ اس حدیث پاک میں ملتا ہے کہ:

علیؓ منی وانا منہ ——— علی مجھ سے ہیں اور میں علی سے ہوں۔

اسیطرح اگر غور کیا جائے تو فاروق اعظمؓ کے بارے میں جو خاص ارشاد نبوی ہے وہ یہ ہے کہ

لوکان بعدی نبیًا لکان عمر — میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو وہ عمر ہوتے۔

اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ نظام شرعی کی ترویج و تجدید کے کارنامے کا خصوصی تعلق "نسبت فاروقی" ہی سے ہے۔ اور جب کبھی نسبت فاروقی کا فیضان خاص کسی ولی پر غالب آتا ہے، تو اس سے تجدید دین کا کارنامہ سرانجام پاتا ہے۔ خواہ وہ کہنے کو نقشبندی ہو یا چشتی یا قادری یا سہروردی۔[1]

اس حقیقت کے ماسوا تاریخ مجددین پر سرسری نظر ڈالیئے تو "اتفاق مشیت" کا ایک اور کرشمہ نظر آئے گا، وہ یہ کہ دین محمدی کے مجدد اوّل اور پانچویں خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ ہیں جو نسبت باطنی رکھنے کے علاوہ فاروق اعظمؓ کے پرپوتے بھی ہیں۔ پھر ہزارۂ ثانی کے مجدد اوّل حضرت شیخ احمد سرہندی قدس سرہٗ جن کا نام نامی ہی "مجدد الف ثانی" پڑ گیا ہے، وہ بھی فاروقی النسب ہی ہیں۔ بارہویں صدی کے مجدد کبیر حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی قدس سرہ بھی نسباً فاروقی ہی تھے —— اسی طرح

---

[1] واضح رہے کہ علوی، صدیقی، فاروقی، عثمانی یا اویسی نسبتوں کا ظہور معروف سلاسل تصوف میں کسی خاص سلسلہ کا پابند نہیں۔ بلکہ یہ بجلیاں ہر سمت کوندتی رہتی ہیں، دراصل اس کا انحصار کسی اہل اللہ کے اپنے مناکلہ پر ہے۔ اسکی نہایت عام فہم مثال حضرت حکیم الامتؒ نے یہ ارشاد فرمائی ہے۔ کہ مرغی کا انڈا اگر بطخ کے نیچے رکھئے تو مرغی ہی برآمد ہوگی، بطخ کے سینکنے سے بطخ برآمد نہ ہوگی۔ اسی طرح اس کے برعکس۔ معلوم ہوا کہ وارو مدار انڈے کی طبعی استعداد پر ہے۔ نہ کہ مرغی یا بطخ کی حرارت پر ——!!

چودھویں صدی میں دین محمدی کے ایک اور ممتاز مجدد یعنی حضرت مولانا اشرف علی تھانوی[1] قدس سرہٗ بھی نسباً فاروقی ہی ہیں ــــــ ان چار ہستیوں کے علاوہ درمیانی صدیوں کے مجددین کی جو فہرستیں امام جلال الدین سیوطی یا اور محدثین نے مرتب فرمائی ہیں، ان میں سے ایک ایک کو دیکھا جائے تو اور بھی ہستیاں ایسی نکل آئیں گی جن میں فاروقی خون جوش زن ملے گا۔ گو ہمارے نزدیک تجدیدی کارنامہ کا انحصار نسب پر نہیں بلکہ محض نسبت فاروقی ہی کے زور پر ہے ــــــ واللہ اعلم وعلمہٗ اتم

[1] مجدد چہاردہم صدی کے تجدیدی کارنامہ کو ایک نگاہ میں دیکھنا ہو تو حضرت مولانا عبدالباری ندوی مدظلہٗ کی چار گرانقدر مؤلفات تجدید دین کامل، تجدید تصوف، تجدید تعلیم و تبلیغ اور تجدید معاشیات کا مطالعہ ضروری ہے۔ راقم الحروف نے عارف باللہ حضرت مولانا محمد حسین چشتی حیدر آبادی قدس سرہٗ (مرشد حضرت مولانا گیلانیؒ) کو اور شیخ الشیوخ حضرت مولانا عبدالغفور عباسی مہاجر مدنی دامت برکاتہم کو یہ تصدیق فرماتے سنا کہ حضرت مولانا تھانوی قدس سرہٗ اس صدی کے مجدد تھے۔

عمر احمد عثمانی کی تحریفات کا اجمالی جائزہ

صغر سنی کی شادیاں اور اسلام

اصل مقالہ یا اس کے اقتباسات پر تنقید حاشیہ یا عنوانات کی صورت میں کی گئی ہے۔ (ادارہ)

حامداً و مصلیاً و مسلماً ۔ مثل مشہور ہے۔ کہ بچھو سے کسی نے دریافت کیا کہ جناب کے معزز گھرانے میں نیش زنی کے فن میں سب سے بڑا ماہر کون ہے، اس نے سنجیدگی سے جواب دیا، کہ جس کی پشت پر ہاتھ رکھ دیکھو، وہی سب سے بڑھ کر "ماہر فن" ثابت ہوگا ۔۔۔۔

اسلام کا نام لیکر اسلام کو ڈسنا، اسے تحریفی نشتر لگانا، اس پر جرح و تنقید کی مشق کرنا، اور محض مفروضات سے اس کے قطعی مسائل کو پامال کرنا ہر دور کے ملاحدہ اور زنادقہ کا طرۂ امتیاز رہا ہے، پہلی صدی کے خوارج ہوں یا مابعد کے باطنیہ، تیسری صدی کے اصحاب العدل والتوحید ہوں، یا دور حاضر کے "ارباب فکر و نظر" دوسری صدی کا ابن المقفع ہو، یا چودھویں صدی کا اسلم جیراجپوری، اکبری دور کے ابو الفضل اور فیضی ہوں، یا ہمارے دور کے ڈاکٹر فضل الرحمان اور پرویز، سب کا مشترک مقصد، مشترک نقطۂ نظر، اور مشترک سرمایہ اسلام کی مقدس چہار دیواری میں رخنہ اندازی کر رہا ہے۔

"ادارہ تحقیقات اسلامیہ راولپنڈی" نے شریعت محمدیہ اور دین اسلام میں شگاف ڈالنے کیلئے جو "مجلس ادارت" اور "بزم فکر و نظر" ترتیب دی ہے۔ اس کیلئے چن چن کر زیادہ تر "بخاوری" قسم کے متجددین کی بھیڑ جمع کی گئی ہے، اب یہ ادارہ ان ہی لوگوں کی تحقیقات کو تعبیر اسلام قرار دیتا ہے ۔۔۔۔ مناسب معلوم ہوتا ہے۔ کہ "ادارہ" کے رجال کار اور ان کے تحقیقاتی شاہکار کے کچھ نمونے امت مسلمہ کے سامنے رکھ دیئے جائیں، تاکہ انہیں اس

اور گلستان سے اسکی "تعبیری بہار" کا اندازہ کرنے میں کسی دقت کا سامنا نہ کرنا پڑے،

ادارہ تحقیقات کی بزم فکر و نظر کے ایک رفیق عمر احمد عثمانی صاحب ہیں۔ ادارہ تحقیقات میں ان کی شخصیت کس قدر مقبول ہے، اس کا اندازہ مدیر فکر و نظر کے مندرجہ ذیل الفاظ سے کیا جاسکتا ہے:۔

"ہمارے" فاضل و فقیہ مقالہ نگار نے عنوانِ بالا پر اپنے پر مغز مقالے کی پہلی دو قسطوں میں آیات قرآنی اور ان کی ائمہ سلف کی تفاسیر کی روشنی میں یہ واضح کیا تھا ـــــ الخ

"ہمارے فاضل دوست کے طرزِ تحریر کا امتیازی وصف یہ ہے کہ وہ مسئلے کے ہر گوشے پر شرح و بسط کے ساتھ روشنی ڈالتے ہیں اور اس سلسلہ میں اپنی ذاتی تنقید کو ائمہ سلف کی تنقیدات کا ہمیشہ تابع رکھتے ہیں۔" (فکر و نظر جلد ۲ ش ۵۔۶ صـ۳۱۵)

اس کے ساتھ "فاضل و فقیہ مقالہ نگار" کا یہ "امتیازی وصف" بھی ملحوظ رہنا چاہیے کہ وہ مسٹر پرویز کی سلطنت کفر و الحاد میں برسوں تک وزارت علمی کے منصب پر فائز رہے ہیں، اور ان کی تحریک مرکز ملت، و نظام ربوبیت" فاضل و فقیہ مقالہ نگار" ہی کے دم قدم سے پروان چڑھی ہے، ملت اسلامیہ سے مسٹر پرویز کا رشتہ کٹ جانے کے بعد ان کی قلمی خدمات ادارہ تحقیقات کیلئے وقف ہو گئیں ـــــ

"فاضل مقالہ نگار کے چار ضخیم مقالے ادارہ تحقیقات راولپنڈی کے آرگن فکر و نظر" نے تقریباً (۲۲۵) صفحات میں شائع کئے ہیں ـــــ ہم کوشش کریں گے، کہ ان تمام مقالوں کے ابھرتے ہوئے نقوش، اصل الفاظ یا خلاصہ کی صورت میں پیش کر دیں۔

ـــــ محمد یوسف ـــــ

نوٹ:۔ اس مقالہ کی پہلی قسط فکر و نظر جلد اول شمارہ ۷، ۸ (جنوری فروری ۱۹۶۴ء) میں اور دوسری قسط شمارہ ۹ (مارچ ۱۹۶۴ء) میں شائع ہوئی ہے۔ آئندہ اقتباسات میں قسط اول، قسط دوم لکھ کر محولہ بالا شماروں کے صفحات درج کر دیئے جائیں گے۔

۱۔ **قرآنی مفہوم میں تحریف** | وابتلوا الیتٰمیٰ حتیٰ اذا بلغوا النکاح فان آنستم منھم رشداً فادفعوا الیھم اموالھم (۴-۶) | اور تم یتیموں کو آزما لیا کرو یہاں تک کہ وہ نکاح کی عمر پہنچ جائیں، پھر اگر ان میں ایک گونہ تمیز دیکھو، تو ان کے اموال ان کے حوالے کر دیا کرو۔ (ترجمہ مولانا اشرف علی تھانوی)

۱۔ مدیر فکر و نظر کا یہ دعویٰ اپنے اندر کتنی صداقت رکھتا ہے۔ آئندہ سطور میں آپ کے سامنے جو حقائق آئیں گے، ان پر غور کرنے کے بعد اس کا فیصلہ آپ خود کر سکیں گے، واللہ الموفق۔ (محمد یوسف)

مولانا تھانویؒ نے حاشیہ پر فوائد میں یہ بھی تحریر فرمایا ہے کہ :۔ یعنی "بالغ ہو جائیں، کیونکہ نکاح کی پوری قابلیت بلوغ سے ہوتی ہے" اس آیت کریمہ کے اسی قسم کے تراجم دیگر تمام مترجمین نے بھی کئے ہیں، اس آیت کریمہ میں آپ نے دیکھ لیا، کہ یتیموں کو ان کے اموال حوالے کرنے کے لئے جو حد مقرر فرمائی گئی ہے وہ آزمائش کے بعد ان میں ایک گونہ تمیز اور صلاحیت کا پیدا ہو جانا ہے۔ مگر یہ[1] آزمائش اسی وقت کی جانی چاہیئے جب وہ بالغ ہو جائیں ــــ بلفظہٖ (قسط اوّل صہ ۴۰)

۲۔ فقہائے امت کی قرآن کریم کی نظر سے محرومی | اس آیت سے جہاں یہ بات معلوم ہوئی کہ یتیموں کو ان کے مال کب حوالے کرنے چاہئیں وہیں اس کے ساتھ یہ بھی معلوم ہو گیا کہ "قرآن کریم کی نظر" میں نکاح کی بھی ایک عمر مقرر ہے، اور وہ ہے بلوغ کی عمر ـــ (ذرا آگے چل کر) لیکن یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب یہ بات اتنی صاف تھی، تو سلف سے لیکر خلف تک تمام فقہائے امت اور علمائے امت بالاجماع صغرسنی کی شادیوں کے قائل کیسے چلے آتے ہیں، کیا قرآن کریم کی یہ صراحت اور عرب معاشرہ میں صغرسنی کی شادیوں کا کوئی رواج نہ پایا جانا ان کے سامنے نہیں تھا ـــ؟ یہ سوال بڑا اہم ہے اور اسے یونہی سرسری طور پر نظرانداز نہیں کیا جاسکتا۔ بلفظہٖ (قسط اوّل صہ ۴۰-۴۱)

۳۔ صغرسنی کے نکاح کو جائز قرار دینے والے ائمہ دین تحریف سے بھی بدتر جرم کے مرتکب ہیں۔ | "اگر ایسا اجماع جسکی سند قرآن وحدیث سے نہ مل سکے بقول حضرت شاہ صاحبؒ کے ناجائز اور اسباب تحریف میں شامل ہے، تو ایسے اجماع کے بارے میں کیا کہا جائے گا۔ جو قرآن کریم کی "نص صریح" کے بھی خلاف ہو، پہلے بتایا جا چکا ہے کہ قرآن کریم نے نکاح کی عمر، بلوغ کو قرار دیا ہے، اور یہ "نص صریح" ہے۔ تو اگر نص صریح کے خلاف اجماع کا ثبوت بھی ہو جائے تو اسے کسی طرح بھی جائز نہیں کہا جاسکتا اور ایسا اجماع یقیناً اسباب تحریف سے بھی کچھ زیادہ

---

[1] قرآن کریم آزمائش کی حد انتہا، بلوغ بتلاتا ہے، اور فکر و نظر کے "فاضل وفقیہ مقالہ نگار" اس میں آزمائش کی "حد ابتداء" کا مضمون ٹھونستے ہیں۔! یہ کھلی تحریف ائمہ سلف میں سے کس کی تنقید کے تابع ہو کر کی گئی ہے ـــ؟ کیا "فاضل وفقیہ مقالہ نگار" یہ بھی نہیں جانتے کہ "حتّٰی" ابتدائے غایت کیلئے نہیں بلکہ انتہائے غایت کے لئے موضوع ہے۔۔؟ پھر اگر بلوغ کے بعد سے آزمائش کا وقت شروع ہوتا ہے تو مال کے حوالہ کرنے کا وقت کب سے شروع ہو گا۔

[2] سلف سے لے کر خلف تک تمام علماء امت کو "قرآن کریم کی نظر" اور اسکی صراحت سے بے بصیرت ثابت کرنا، یہ ہے فاضل وفقیہ مقالہ نگار کی فقاہت، اور ائمہ سلف کی اتباع۔ قرآن کریم کی اس نظر کا چودہ سو سال بعد انکشاف ہوا، ورنہ اس سے پہلے تمام امت "ناجائز فعل" ہی کی غلطی میں مبتلا رہی۔

ہی سخت ترؔ شمار کیا جائے گا۔" بلفظہٖ (قسط اوّل ص ۴۲)

۴۔ اقوالِ شاذہ کی وجہ سے اجماع کا دعویٰ غلط ہے۔

"چونکہ (تمام امت اور) فقہاءِ امت کے جمِ غفیر کے خلاف ابن حزمؒ، ابن شبرمہؒ اور خوش قسمتی سے امام اصمؒ کے کے اقوال (شاذہ) موجود ہیں۔ اس لئے اجماع امت کا دعویٰ غلط ہے۔" تلخیص (قسط اوّل ص ۴۲-۴۸)

۵۔ علمائے امت کا یہ فتویٰ عجمی اثرات (یا پرویزی اصطلاح میں عجمی سازش) کا نتیجہ ہے۔

اسی کے ساتھ اس حقیقت کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا، کہ جب تدوینِ فقہ کا دور آیا تو بیشتر علمی مسندوں پر وہ علماء اور ائمہ تابعین ہو چکے تھے جن کا تعلق ملک عرب سے نہیں تھا، بلکہ عجمی ممالک سے تھا، بلکہ تدوینِ فقہ کے دور سے بہت پہلے ہی علمی مسندیں

لہ واضح رہے فاضل وفقیہ مقالہ نگار کے بقول "تحریف سے بھی سخت تر جرم" کا ارتکاب کرنے والوں میں خود شاہ صاحبؒ بھی شامل ہیں، چنانچہ "والبکر یستاذنہا ابوھا" پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

"اس سے مراد بکر بالغہ ہے۔ نابالغہ نہیں، وہ کیسے مراد ہو سکتی ہے۔ جبکہ اسکی کوئی رائے ہی نہیں ہوتی۔ اور حضرت صدیقؓ نے حضرت عائشہؓ کا نکاح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس وقت کر دیا تھا جبکہ وہ چھ سال کی تھیں۔" (حجۃ اللہ البالغہ، ص ۱۲۷ ج ۲ طبع منیریہ)

ایک طرف ان کو "تحریف کے مجرم" اور "بلا سوچے سمجھے نص صریح کے خلاف فتویٰ دینے والے" بتلانا اور دوسری طرف ان کے کلام سے استدلال کرنا "جس برتن میں کھانا اسی میں پیشاب کرنے" کا مصداق ہے، معلوم ہوا کہ شاہ صاحب کی عبارت سے اخذ کردہ نتیجہ اور قرآن کی نص صریح کا افسانہ "خانہ ساز" ہے ـــــ ورنہ شاہ صاحبؒ سے بڑھ کر "نصِ صریح" کو جاننے والا ادارہ تحقیقات کی جمع کردہ بھیڑ میں کون ہے۔؟

لہ اجماعِ امت کے مقابلہ میں شاذ قسم کے اقوال و آراء پیش کرنے پر شاہ صاحبؒ نے بڑی عمدہ بحثیں فرمائی ہیں، طلبۂ علم کو "ازالۃ الخفاء" کی طرف مراجعت کا مشورہ دیتے ہوئے یہاں شاہ صاحبؒ کا صرف ایک فقرہ نقل کرتا ہوں :

در اشکال یک جانب اصابت بود، دیگر جانب خطاء المعذور، وچوں پردہ از روئے کار برداشتند، وحق مثل فلق الصبح پدید ارگشت مجال خلاف نماند، ہر کہ الحال یمیناً وشمالاً فتد زندیق است، و درائے باید بقتل رسانید۔ (ازالۃ الخفاء ص ۹۹ ج ا طبع جدید نور محمد کراچی)

جب تک مسئلہ میں اشکال تھا، اس وقت تک ایک جانب صواب تھا، اور ایک جانب خطائے معذور۔ لیکن جب مسئلہ کے چہرہ سے نقاب اٹھ گیا، اور حق "سفیدۂ صبح" کی طرح روشن ہو گیا، اس وقت اختلاف کی کوئی گنجائش نہیں رہی۔ اس کے بعد بھی جو شخص دائیں بائیں بھاگے وہ زندیق ہے۔ اسے قتل کر دیا جائے۔

عربوں کے قبضہ سے نکل چکی تھیں، عبد الملک اور زہری کا وہ مکالمہ جو اکثر مؤرخین نے نقل کیا ہے۔ اس صورتِ حال پر روشنی ڈالنے کے لئے کافی ہے۔ (اسکے بعد وہ مکالمہ مذکور ہے۔) بلفظہٖ (قسط اول ص۴۹)

۶۔ علمائے امت اور جوازِ حماقت کا فتویٰ | "ان حضرات کا جم غفیر جسے "اجماع" کے غلط لقب[۱] سے یاد کیا گیا ہے۔ یہ نہیں کہہ رہا کہ صغر سنی کی شادیاں ضرور کی جانی چاہئیں، وہ زیادہ سے زیادہ یہی بتا رہا ہے کہ اگر "ایسی حماقت" کر لی جائے، تو اس کا شرعی حکم کیا ہوگا؟ (وہ شرعی حکم یہی ہے کہ جائز ہے۔) بلفظہٖ (قسط اول ص۵۲)

۷۔ علمائے امت کا بلا سوچے سمجھے وراثتی فتویٰ | چونکہ ان کے اذہان وراثتی طور پر صغر سنی کی شادیوں سے مانوس تھے، اور ان کے دلوں میں نہ اس کی طرف سے کوئی استعجاب پایا جاتا تھا، اور نہ اس (ناجائز فعل) سے کوئی نفرت تھی، اس لئے جونہی ان کے سامنے کوئی ایسا بیان آیا جس سے اس کا جواز نکلتا تھا، انہوں نے فوراً اسے قبول کر لیا، اور اسکی جرح و تنقید کی طرف کوئی توجہ نہیں فرمائی۔ بلفظہٖ (قسط اول ص۵۲)

۸۔ نہیں بلکہ ضرورت اور مجبوری | فقہائے کرام نے یہ کہیں نہیں کہا کہ بلا ضرورت بھی صغر سنی کی شادیاں کرنی چاہئیں وہ تو صرف یہ بتا رہے ہیں، کہ اگر کوئی شخص کسی "ضرورت" اور مجبوری کے تحت

---

[۱] اجماع کا لقب غلط نہیں، بلکہ بقول شاہ صاحبؒ کے اسے غلط قرار دینا صریح زندقہ ہے۔ ع

سخن شناس نئی دلبرا خطا ایں جاست

[۲] "فاضل و فقیہ مقالہ نگار" کے بقول "ایسی حماقت" کے "شرعی جواز" کا فتویٰ جن حضرات کے جم غفیر نے صادر فرمایا، اگر ان کے پاس کوئی شرعی دلیل موجود تھی تو اسے "حماقت" کا لقب دینا خود اچھی خاصی سوچی سمجھی حماقت ہے، اور اگر ان حضرات کا یہ "فتوائے حماقت" یوں ہی بلا دلیل تھا، تو "ان حضرات کا جم غفیر" مفتری علے اللہ ہوا، نہ کہ ائمہ دین۔ معاذ اللہ۔ استغفر اللہ۔ یہ ہے فکر و نظر کے فاضل و فقیہ مقالہ نگار کی "اتباعِ سلف"۔۔۔!

[۳] ائمہ دین پر اپنے غیر شرعی موروثی امور سے انس رکھنے، ان سے استعجاب نہ کرنے، نفرت نہ کرنے اور بلا سوچے سمجھے اور بلا جرح و تنقید ان کے جواز کا فتویٰ صادر فرمانے کا بہتان کیا بھونڈی اور مکروہ قسم کی افسانہ نگاری نہیں ہے۔۔؟ پھر "فاضل و فقیہ مقالہ نگار" یہ بھول گئے، کہ امام مالک اصبحیؒ، امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبل شیبانیؒ اور امام محمد شیبانیؒ وغیرہم تو عجمی نہ تھے۔ انہوں نے اس "حماقت" کے جواز کا فتویٰ کیسے دے ڈالا۔ ان کو اس عجمیت سے کیوں انس رہا۔ اور استعجاب اور نفرت کیوں نہ ہوئی۔ کیا اسے تحقیق کہا جائے، یا ائمہ دین کی تحمیق (ان کو احمق بنانا)۔۔؟ [۴] اوپر کی عبارت میں فاضل و فقیہ مقالہ نگار نے اسے "فتوائے حماقت" قرار دیا تھا، یہاں آکر اسے "فتوئی ضرورت" بنا ڈالا۔ کیا اسلامی تحقیقات کے ادارے کی زبان میں ضرورت اور حماقت کے ایک ہی معنیٰ ہیں۔؟ پھر یہ ضرورت، حماقت کا الہام کہاں سے ہوا، فقہاء کے جم غفیر نے اسکی کہیں تصریح فرمائی ہے یا یہ محض ایجاد بندہ ہے۔

ایسا نکاح کردے تو اس کا کیا حکم ہوگا۔ اور ظاہر ہے کہ ایسی ضرورت شدیدہ میں، جیسی صورت ہم نے اوپر فرض کی ہے، اگر کوئی شخص ایسا کر دے تو عدل عمرانی، ضرورت وقت، تقاضائے مصلحت اور منشائے قانون بھی یہی ہے کہ اس کے جواز[1] کا فتویٰ دیا جائے"۔ بلفظہٖ (قسط اوّل ص۵۳)

نہیں نہیں بلکہ اشتباہ | "واقعہ یہ[2] ہے کہ ہمارے فقہاء کے سامنے ایک ایسی روایت تھی، جو انہیں اشتباہ میں ڈالنے کا باعث بنی، اس روایت پر ہم شرح وبسط کے ساتھ آئندہ اشاعت میں بحث کریں گے"۔ بلفظہٖ (قسط اوّل ص۵۴)

تمام معتبر کتابوں کی صحیح ترین حدیث | "یہ روایت حدیث کی تمام معتبر کتابوں میں صحیح ترین سند (بلکہ اسانید متعددہ متواترہ - ناقل) کے ساتھ بیان ہوئی ہے، جس کی بنا پہ ہمارے فقہاء کو صغرسنی کی شادیوں کے جواز کا فتویٰ دینا پڑا ہے، یہ روایت حضرت عائشہؓ کی طرف منسوب کی گئی ہے، جس میں وہ فرماتی ہیں کہ:

"حضور اکرمؐ نے مجھ سے نکاح کیا جبکہ میں چھ سال کی تھی، اس کے بعد ہم مدینہ میں آئے ——— پھر (رخصتی کے وقت) مجھے کسی بات نے نہیں گھبرایا، مگر یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور (انصاری عورتوں نے) مجھے آپ کے حوالے کر دیا، ان دنوں میں نو سال کی تھی ——— عروہ[3] ابن زبیر نے بتایا کہ حضرت خدیجہؓ کا انتقال حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ کی طرف ہجرت فرمانے سے تین سال پہلے ہو گیا تھا، دو سال یا قریباً دو سال تک آپ نے کوئی شادی نہیں کی، پھر

---

[1] لیکن آپ کا مسلم فیملی لاز تو جسکی نمک حلالی کیلئے نامۂ عمل کی یہ تمام سیاہی آپ نے مہیا کی ہے، عدل عمرانی، ضرورت وقت، تقاضائے مصلحت اور منشائے قانون کو بالائے طاق رکھ کر بلا استثناء اسے قابل سزا جرم قرار دیتا ہے، اسلام کا معجزہ دیکھئے، کہ جس قانون کی خاطر اسلام میں تحریف اور ائمہ اسلام کی تحمیق کا بار عظیم اٹھایا گیا تھا، خود اسی قانون کو عدل عمرانی، ضرورت وقت، تقاضائے مصلحت اور منشائے قانون کی ضد قرار دینا پڑا۔

[2] اگر یہی واقعہ ہے تو مذکورہ بالا "ضرورت حماقت" کے افسانے کس خطاب کے مستحق ہیں۔

[3] واضح رہے، کہ یہ عروہ بن زبیرؓ کا قول ہے، جسے ایک دروغ مصلحت آمیز کیلئے فکر و نظر کے فاضل و فقیہ مقالہ نگار نے حضرت عائشہؓ کی روایت میں شمار کر لیا۔ اس لئے از راہ احتیاط انہوں نے جمع الفوائد کا حوالہ دیا۔ یہ بحث الگ مقالے میں پیش کی جائے گی۔ واللہ الموفق

چلا آرہا ہے اور جو لوگ صغر سنی کی شادیوں کے عدمِ جواز کے قائل ہیں، وہ بھی لڑکیوں کی حد تک یا تو جواز[1] کے قائل ہیں، یا پھر اس واقعہ کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات[2] پر محمول کرتے ہیں، لیکن اس موقعہ پر یہ سوال کیا جا سکتا ہے۔ کہ مذکورہ بالا حدیث کتنی ہی قوی اور سند کے اعتبار سے کتنی ہی صحیح کیوں نہ ہو لیکن بہرحال وہ ایک خبرِ[3] واحد ہے جو قرآن کی نصِ صریح کے مقابلہ میں قابلِ قبول نہیں ہو سکتی۔" بلفظہٖ (قسط دوم ص۳۳)

ام المومنینؓ کے متعلق ادارہ تحقیقات کی مہذب زبان | "عقلِ انسانی اسے کسی طرح باور نہیں کرتی کہ ایک نو سال کی "الھڑ لڑکی" اپنے میکہ میں ان تمام علوم و فنون میں اس قدر مہارت کی مالک ہو سکتی ہے کہ اس کا علم پوری امت کی عورتوں سے بڑھ جائے۔" بلفظہٖ (قسط دوم ص۳۴)

صغر سنی کی شادیوں کے جواز پر ایک اور حدیث | صغر سنی کی شادیوں کے جواز پر بعض فقہاء کرام نے ایک دوسری روایت[4] سے بھی استدلال کیا ہے۔ وہ روایت یہ ہے:۔۔۔۔ محمد بن اسحاق کا بیان

---

[1] صغر سنی کی شادیوں کے عدمِ جواز کے حق میں "فاضل و فقیہ مقالہ نگار" نے کل تین نام پیش کئے تھے، (اگرچہ اس فہرست کے ثبوت میں بھی کلام کیا جا سکتا ہے، لیکن خیر تین نام مان لیجئے) جب ان تینوں میں سے بھی بعض لڑکیوں کی حد تک تو جواز کے قائل ہیں۔ تو مطلقاً عدمِ جواز کے قائل کتنے رہ گئے۔؟

[2] اس سے واضح ہو گیا ہو گا، کہ یہ حدیث باجماعِ امت روایۃً و درایۃً صحیح ہے، اور سلف و خلف میں سے کسی بھی قابلِ اعتبار شخصیت نے اسے روایۃً صحیح اور درایۃً غلط نہیں کہا، اب اسے درایۃً غلط کہنا کسی ملحد اور زندیق ہی کا کام ہو سکتا ہے۔ اگر فکر و نظر کے "فاضل و فقیہ مقالہ نگار" میں ایمانی رمق کسی درجہ میں بھی باقی ہوتی تو تمام امت کی درایت کو (جن میں ان کے پیش کردہ تین نام بھی شامل ہیں) غلط ٹھہرا کر ملاحدۂ مغرب کی کورانہ تقلید میں اسے رد نہ کرتے، زیادہ سے زیادہ اسے خصوصیت پر محمول کر لیتے۔ تو مسلمانوں کو ان سے متعلق کسی حد تک حسنِ ظن کی گنجائش تو رہ جاتی۔

[3] سبحان اللہ۔ یہاں آکر تو "فاضل و فقیہ مقالہ نگار" نے اپنی فضیلت و فقاہت کا سارا بخیہ ہی ادھیڑ دیا، ذرا سوچئے کہ جو حدیث خود ان کے بقول، مشرق و مغرب، جنوب و شمال، عرب و عجم، ترک و تاجیک، الغرض تمام خطۂ زمین کی تمام معتبر کتبِ حدیث، تفسیر، فقہ، سیر اور تاریخ میں صحیح ترین سندوں کے ساتھ موجود ہو اور امت کے اوّلین و آخرین، اور سلف و خلف کے تمام علماء، فقہاء، محدثین نے اسے قبول کیا ہو، اور اسکی اسانیدِ صحیحہ اس کثرت سے ہوں کہ اگر ان سب کو ایک جگہ جمع کر دیا جائے تو بلا مبالغہ ایک ضخیم کتاب بن جائے، کسی "فاضل و فقیہ" سے نہیں ادنیٰ ہوش و حواس کے آدمی سے پوچھ دیکھئے کہ کیا وہ خبرِ واحد کہلائے گی، یا تمام امت کی مسلّمہ اور متواتر۔؟ جب "فاضل و فقیہ مقالہ نگار" کو بھی تسلیم ہے کہ امتِ مرحومہ کا ہر طبقہ از اوّل تا آخر اس پر مہرِ تصدیق ثبت کرتا رہا ہے۔ اور کبھی کسی نے، بقائمیٔ ہوش و حواس، اسکے خلاف کبھی کوئی آواز نہیں اٹھائی۔ تو اسے "خبرِ واحد" کہہ کر رد کرنے کو جنون کہا جائے یا زندیقیت، اور رد کرنے والے کو دماغی ہسپتال کا مشورہ دیا جائے، یا کسی مغربی یونیورسٹی کا۔؟

[4] ابھی ابھی "فاضل و فقیہ مقالہ نگار" فرماتے تھے کہ نابالغی کے نکاح کی بنیاد صرف ایک حدیث پر ہے۔ مقامِ شکر ہے کہ ان کو ایک دوسری روایت بھی نظر آگئی۔

چلا آرہا ہے اور جو لوگ صغر سنی کی شادیوں کے عدم جواز کے قائل ہیں، وہ بھی لڑکیوں کی حد تک یا تو جواز[1] کے قائل ہیں، یا پھر اس واقعہ کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات[2] پر محمول کرتے ہیں لیکن اس موقعہ پر یہ سوال کیا جا سکتا ہے۔ کہ مذکورہ بالا حدیث کتنی ہی قوی اور سند کے اعتبار سے کتنی ہی صحیح کیوں نہ ہو لیکن بہر حال وہ ایک خبر[3] واحد ہے جو قرآن کی نص صریح کے مقابلہ میں قابل قبول نہیں ہو سکتی۔" بلفظہٖ (قسط دوم صـ۳۳)

ام المومنین[4] کے متعلق ادارہ تحقیقات کی تہذیب زبان "عقل انسانی اسے کسی طرح باور نہیں کرتی کہ ایک نو سال کی "الھڑ لڑکی" اپنے میکہ میں ان تمام علوم و فنون میں اس قدر مہارت کی مالک ہو سکتی ہے کہ اس کا علم پوری امت کی عورتوں سے بڑھ جائے" بلفظہٖ (قسط دوم صـ۳۴)

صغر سنی کی شادیوں کے جواز پر ایک اور حدیث صغر سنی کی شادیوں کے جواز پر بعض فقہاء کرام نے ایک دوسری[5] روایت سے بھی استدلال کیا ہے۔ وہ روایت یہ ہے:۔ محمد بن اسحاق کا بیان

---

[1] صغر سنی کی شادیوں کے عدم جواز کے حق میں" فاضل و فقیہ مقالہ نگار" نے کل تین نام پیش کئے تھے، (اگرچہ اس فہرست کے ثبوت میں بھی کلام کیا جا سکتا ہے، لیکن خیر تین نام مان لیجئے) جب ان تینوں میں سے بھی بعض لڑکیوں کی حد تک تو جواز کے قائل ہیں" تو مطلقاً عدم جواز کے قائل کتنے رہ گئے۔؟

[2] اس سے واضح ہو گیا ہو گا، کہ یہ حدیث باجماع امت روایۃً و درایۃً صحیح ہے، اور سلف و خلف میں سے کسی بھی قابل اعتبار شخصیت نے اسے روایۃً صحیح اور درایۃً غلط نہیں کہا، اب اسے درایۃً غلط کہنا کسی ملحد اور زندیق ہی کا کام ہو سکتا ہے۔ اگر فکر و نظر کے" فاضل و فقیہ مقالہ نگار" میں ایمانی رمق کسی درجہ میں بھی باقی ہوتی تو تمام امت کی روایت کو (جن میں ان کے پیش کردہ تین نام بھی شامل ہیں) غلط ٹھہرا کر ملاحدہ مغرب کی کورانہ تقلید میں اسے رد نہ کرتے، زیادہ سے زیادہ اسے خصوصیت پر محمول کر لیتے، تو مسلمانوں کو ان سے متعلق کسی حد تک حسن ظن کی گنجائش تو رہ جاتی۔

[3] سبحان اللہ۔ یہاں آکر تو" فاضل و فقیہ مقالہ نگار" نے اپنی فضیلت و فقاہت کا سارا بخیہ ہی ادھیڑ دیا، ذرا سوچئے کہ جو حدیث خود ان کے بقول، مشرق و مغرب، جنوب و شمال، عرب و عجم، ترک و تاجیک، الغرض تمام خطۂ زمین کی" تمام معتبر کتب حدیث، تفسیر، فقہ، سیر اور تاریخ میں صحیح ترین سندوں کے ساتھ موجود ہو اور امت کے اولین و آخرین، اور سلف و خلف کے تمام علماء، فقہا، محدثین نے اسے قبول کیا ہو، اور اسکی اسانید صحیحہ اس کثرت سے ہوں کہ اگر ان سب کو ایک جگہ جمع کر دیا جائے تو بلا مبالغہ ایک ضخیم کتاب بن جائے، کسی" فاضل و فقیہ" سے نہیں ادنیٰ ہوش و حواس کے آدمی سے پوچھ دیکھئے کہ کیا وہ خبر واحد کہلائے گی، یا تمام امت کی مسلمہ اور متواتر؟ جب فاضل و فقیہ مقالہ نگار" کو بھی تسلیم ہے کہ امت مرحومہ کا ہر طبقہ از اول تا آخر اس پر مہر تصدیق ثبت کرتا رہا ہے۔ اور کبھی کسی نے، بقائمی ہوش و حواس، اسکے خلاف کبھی کوئی آواز نہیں اٹھائی۔ تو اسے" خبر واحد" کہہ کر رد کرنے کو جنون کہا جائے یا زندیقیت، اور رد کرنے والے کو دماغی ہسپتال کا مشورہ دیا جائے، یا کسی مغربی یونیورسٹی کا۔؟ [4] ابھی ابھی" فاضل و فقیہ مقالہ نگار" فرماتے تھے کہ نابالغی کے نکاح کی بنیاد صرف ایک حدیث پر ہے۔ مقام شکر ہے کہ ان کو ایک دوسری روایت بھی نظر آگئی۔

ہے، کہ مجھے عبداللہ ابن ابی بکر بن حزم اور عبداللہ ابن حارث اور ایک ایسے آدمی نے بتایا جسے میں متہم نہیں سمجھتا، کہ عبداللہ ابن شداد کا بیان ہے، کہ جس شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح حضرت ام سلمہؓ سے کیا تھا وہ ان کے بیٹے سلمہ تھے، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نکاح حضرت حمزہ کی صاحبزادی سے فرمادیا تھا اور یہ دونوں ان دنوں چھوٹے بچے تھے۔ مگر دونوں کی موت واقع ہو جانے کی وجہ سے یہ دونوں یکجا نہیں ہو سکے .... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے، کہ کیا میں نے سلمہ کی اس بات کا بدلہ کہ اس نے اپنی ماں کے ساتھ میرا نکاح کرادیا تھا، اتار دیا ہے۔" ؟

یہ روایت سند کے اعتبار سے جیسی[1] کچھ ہے، اہل علم پر مخفی نہیں، لیکن بر سبیل تنزل اسے قابل اعتماد تسلیم کر لیا جائے، تب بھی اس سے استدلال صحیح نہیں۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بنصِ قرآن مومنین پر ولایت عامہ حاصل تھی، اس لئے جسطرح آپؐ ان دونوں کا نکاح ان کی مرضی کے خلاف بلوغ کے بعد کر سکتے تھے، اسی طرح بلوغ سے[2] پہلے بھی کر سکتے تھے، اس لئے یہ آپؐ کی خصوصیت ہے،

---

[1] یہ جیسی کچھ ہے "جرح مبہم ہے، جو قابل قبول نہیں، بظاہر سند بے غبار ہے۔ یوں بھی جب فاضل دفعیہ مقالہ نگار کے دربار میں کلبی مرحوم کی "مجلس خوش گپیاں" یہاں تک درجۂ استناد حاصل کر لیتی ہیں کہ ان کی بنیاد پر متواتر احادیث کو رد کر دیا جاتا ہے، تو یہ حدیث اس سے بہر حال بدرجہا فائق ہے، اس سے ایک فرعی مسئلہ کیوں ثابت نہیں کیا جا سکتا۔

[2] بحمد اللہ ہمیں تو نہ آپؐ کی ولایت عامہ میں کوئی اشکال ہے، نہ آپ کے کسی کا نکاح قبل از بلوغ یا بعد از بلوغ کرادینے میں کوئی دقت ہے، لیکن بیچارے "فاضل دفعیہ مقالہ نگار" کیلئے یہ سب چیزیں مشکل ہیں، کیونکہ ان کے نزدیک نکاح کی عمر بلوغ ہے، اس لئے بلوغ سے پہلے ان کے نزدیک نکاح کی صلاحیت ہی مفقود ہوتی ہے پس جسطرح شکم مادر میں بچہ نکاح کی صلاحیت نہیں رکھتا، اسی طرح بلوغ سے پہلے بھی، اس صورت میں ان کی یہ تاویل کیسے چل سکتی ہے کہ نابالغی میں نکاح کرادینا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت تھی۔ کیونکہ جب محل، محلِ نکاح نہیں، نہ اس میں نکاح کی صلاحیت ہے۔ تو وہاں نکاح کا تصور ہی غلط ہوگا۔ چہ جائیکہ اس کے لئے خصوصیت کا نکتہ تلاش کیا جائے، اور اگر وہ یہ تسلیم کر لیں، کہ نابالغ بچہ بھی محلِ نکاح ہو سکتا ہے، اور اس میں یہ صلاحیت موجود ہے کہ اس کا نکاح کر دیا جائے، تو ہم گذارش کریں گے کہ جب عاقد میں صلاحیت موجود ہے، اور محل بھی صالح للعقد ہے تو مانعِ جواز کیا ہے۔ یعنی جب ولایت عامہ کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نابالغ کا نکاح کرا سکتے ہیں، تو ولایت خاصہ کی وجہ باپ یا ولی کیوں نہیں کرا سکتے۔؟ نیز اس صورت میں نصِ صریح کے ڈھونگ کا کیا بنے گا، دیکھئے فاضل دفعیہ مقالہ نگار کی خود رائی نے ان کے لئے نہ جائے رفتن نہ پائے ماندن کا کیا خوب سماں پیدا کر دیا ....

دوسرا کوئی شخص اس کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ یا[1] لفظ تزویج کو وعدۂ نکاح پر محمول کیا جائے،

صغرسنی کے نکاح کا جواز قرآن مجید سے ثابت ہے۔ ملک کے چودہ مقتدر علمائے کرام نے نصِ صریح[2] کے علی الرغم۔ اس مسئلہ پر خود قرآن کریم ہی سے استدلال کی سعی نامشکور فرمائی ——— چنانچہ واللائی لم یحضن سے انہوں نے یہ نکالا، کہ "نابالغ طلاق شدہ لڑکیوں کی عدت تین ماہ بیان فرمائی گئی اور عدتِ طلاق نکاح کے بعد ہی ہو سکتی ہے، اسطرح صریح طور پر قرآن مجید نابالغ لڑکیوں کے ساتھ نکاح کی اجازت دیتا ہے۔" چودہ علماء کے اس استدلال سے گردن مارے ندامت کے جھک جاتی ہے، کیونکہ یہ تو واضح ہے، کہ عدتِ طلاق کا سوال مقاربت کے بعد ہی پیدا ہو سکتا ہے۔ اگر اس آیت سے بالفاظِ صریح یا صریح الفاظ میں نابالغ لڑکیوں سے نکاح کا جواز ثابت ہوتا ہے، تو الفاظ صریح اور صریح الفاظ میں ان سے مقاربت کا جواز بھی ثابت ہوتا ہے، کیا قرآن کریم اسے جائز قرار دے سکتا ہے۔ معاذ اللہ، ثم معاذ اللہ۔ یہ قرآن کریم[3] پر انتہائی افسوسناک اتہام ہے جس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ تلخیص (قسط دوم ص۱۰)

---

[1] یہ جواب تو محض وزن بیت ہے جس پر ان کا شکست خوردہ ضمیر خود بھی ملامت کرتا ہو گا کیونکہ حدیث کے الفاظ میں اس "تاویل بیجا" کی کوئی گنجائش نہیں۔ [2] فاضل وفقیہ مقالہ نگار پہلے نصِ صریح ثابت کریں۔ پھر اسکی موافقت یا مخالفت کا قصہ زیرِ بحث لائیں۔ [3] اگر یہ "فاضل وفقیہ مقالہ نگار" کی فقاہت میں انتہائی افسوسناک اتہام ہے، تو انہیں اطمینان رکھنا چاہئے، کہ یہ بیچارے چودہ مقتدر علماء کرام کیطرف سے نہیں، بلکہ بدزبان روکو نبیؐ تک اور نبیؐ کے مہربان تک بات پہنچے گی۔

چنانچہ:- واخرج ابن جریر واسحاق بن راھویہ والحاکم وغیرھم بسند صحیح۔ من ابی بن کعب قال لما نزلت الآیۃ فی سورۃ البقرۃ فی عدۃ النساء قالوا قد بقی عدد من النساء لم یذکرن الصغار والکبار واولات الاحمال فنزلت واللائی یئسن من المحیض من نسائکم الآیۃ (تفسیر مظہری ص۳۳۲ ج ۹)

"امام ابن جریر، اسحاق بن راہویہ اور حاکم وغیرہم نے بسند صحیح حضرت ابی بن کعب سے روایت کی ہے، کہ جب عورتوں کی عدت کے بارے میں سورۃ بقرہ کی آیت نازل ہوئی تو صحابہ کرامؓ نے عرض کی کہ عورتوں کی کچھ تعداد باقی رہ گئی ہے۔ جن کا ذکر (اس آیت میں) نہیں کیا گیا، یعنی نابالغ، عمر رسیدہ، اور حاملہ عورتیں، اس پر یہ آیت نازل ہوئی واللائی یئسن من المحیض من نسائکم الآیۃ۔

اس کے علاوہ کسی بھی بڑی چھوٹی تفسیر کی کتاب کو اٹھا کر دیکھ لیجئے، آپ کو صحابہ کرام، تابعین، ائمہ فقہ، ائمہ حدیث اور ائمہ عربیت کی جانب سے "واللائی لم یحضن" کی یہ تفسیر ملے گی، کہ "اس سے مراد وہ عورتیں ہیں جن کو صغرسنی کی وجہ سے ایام آنا شروع نہ ہوا ہو" اب فرمایا جائے، کہ یہ تہمت چودہ مقتدر علماء کرام نے لگائی ہے، یا فکر ونظر کے فاضل اور فقیہ مقالہ نگار کے غلط تصور اور کج فہمی نے یہ طوفان برپا کیا ہے۔؟ اور نابالغ طلاق شدہ لڑکیوں کی عدت، خدا و رسول، صحابہ و تابعین نے بیان فرمائی ہے یا چودہ علماء نے۔؟ اور اسی سے فاضل وفقیہ مقالہ نگار کے اس بے تحود غلط دعویٰ کی بھی قلعی کھل گئی کہ دور نبوی میں صغرسنی کے نکاح کا رواج نہیں تھا۔" حق تعالیٰ علم کیساتھ ذہن کی سلامتی اور فکر میں اصابت بھی عطا فرمائیں، تب ہی کام چلتا ہے، ورنہ "نام نہاد فاضل وفقیہ مقالہ نگار" کیطرح آدمی فاضلہ اللہ علی علم کا مصداق بن کر ادھر اُدھر کی واہی تباہی ہانکنے لگتا ہے۔ ربنا لا تزغ قلوبنا بعد اذ ھدیتنا وھب لنا من لدنک رحمۃ، انک انت الوھاب ❖

مکتوب بغداد

مولانا شیر علی شاہ مدرس دار العلوم حقانیہ ——— بنام ——— مولانا سمیع الحق

مدینۃ السلام
بغداد
۲۵ رمضان المکرم ۱۳۸۹ھ

——— کافی دن گزرنے کے بعد آج کچھ تحریری ملاقات و مخاطبت کا شرف لطف حاصل کر رہا ہوں۔ روزانہ کوئی موقع تلاش کرتا رہتا ہوں کہ آپ کو الفت نامہ ارسال کروں مگر فرصت نہیں ملتی بسوں میں دن رات سفر کرنے سے مسافر کو فرض نماز پڑھنے کا بمشکل موقع ملتا ہے۔ اور اگر دو تین دن بعد کسی منزل میں رکنا بھی پڑتا ہے۔ تو وہاں چند گھنٹے آرام اور پھر وہاں کے مشاہد اور قابل دید مقامات دیکھنے میں وقت صرف ہو جاتا ہے ؎

اذا وصف الناس اشواقهم — فشوقی لوجهک لا یوصف

واحسن من هذا ما قال قائل وکانہ قال فی حقی ؎

الشوق فوق الذی اشکو الیک — وهل تخفی علیک مبادی اشواقی

یہ خط قطب العصر امام الاولیا حضرت الشیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ کے روضہ سے لکھ رہا ہوں۔ بغداد میں ۲۱ رمضان المبارک کو بخیریت پہنچ گیا ہوں۔ دو دن کاظمین (جو بغداد کا ایک محلہ ہے اور یہاں سے تین چار میل دور ہے) کے ایک ہوٹل میں قیام رہا۔ وہاں شیعہ آبادی میں حضرت امام موسیٰ کاظم کا ایک بہت بڑا مزار ہے جسکے مینار اور دروازے قبر کی جالی تمام سونے کے ہیں۔ شیعہ مردوں اور عورتوں کا وہاں ہر وقت ہجوم رہتا ہے۔ وہ قبر کے ارد گرد طواف کرتے ہیں۔ اس مزار کے قریب حضرت امام ابو یوسفؒ کا مزار ہے۔ جہاں احناف کی ایک چھوٹی سی مسجد ہے۔ مگر میں اب تک ان کے روضہ کی زیارت سے مشرف نہیں ہو سکا۔ اپنے روحانی شیخ اور امام حنفی فقہ بچپن سے لیکر اب تک پڑھتے رہے اور ان کے تقویٰ و فتویٰ۔ پختہ دلائل اور متعارضہ روایات میں عمدہ تطبیق اور دیگر علمی و عملی کارہائے نمایاں سے دل میں ان کی عزت و احترام اور ان سے جو محبت تھی وہ ان کے مرقد مبارک پر جاکر اور زیادہ اور پختہ ہوئی۔ میں عشاء کی نماز کیلئے وہاں گیا۔ مگر جب پہنچا تو نماز ہو گئی تھی۔ خادم کو کہا تو اس نے مزار کا دروازہ کھولا۔ مسنون سلام اور دعا کی۔ فاتحہ و درود اور قرآن مجید کی چند سورتیں پڑھیں اور اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگیں حضرت الاستاد شیخ الحدیث دامت برکاتہم کیلئے دل سے بے اختیار دعائیں نکلیں کہ ان کی آغوش تربیت میں رہ کر اس صاحب روضہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قوی مسلک اور مضبوط براہین کا علم ہو گیا ہے۔ بحمد اللہ امام الفقہاء کا روضہ بدعات و رسوم سے پاک ہے۔ یہاں دیگر مزارات کیطرح مرد و زن کا اختلاط نہیں۔ اور نہ طواف کا ناجائز رسم اور نہ موم بتی جلانے کا رواج ——— قبر مبارک کی جالی پر اللہ تعالیٰ کے ۹۹ اسماء حسنیٰ پیتل سے لکھے گئے ہیں۔

اور ان کے نیچے یہ عبارت لکھی گئی ہے۔

لہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل وقال لوکان العلم بالثریا لتناولہ رجال من فارس۔ ھذا مرقد الامام الاعظم والمجتھد الاقدم ابی حنیفۃ النعمان بن الثابت الکوفی کانت ولادتہ سنۃ ثمانین وفاتہ رحمہ اللہ ورضی عنہ سنۃ خمسین ومائۃ ومما فیہ قیل ہے

اذا ما الناس یوما قایسونا	بآبدۃ من الفتیا طریفۃ
اتیناھم بمقیاس عتید	یصیب من طراز ابی حنیفۃ
یذل لہ المقاییس حین یفتی	ودھش عندہ ابجح المنعیفۃ
ولم یعتمی الامور علی ھواہ	ولکن قاسھا بتقی وخیفۃ
فادمنع للخلائق مشکلات	نوازل کن قد ترکت وقیفۃ
رعی الآثار عن نبی ثقات	عزار العلم مشیخۃ حصینۃ
وان اباحنیفۃ کان بحرا	بعید الغور فرمنہ نظیفۃ

وقد جدد العمل بعد ان دراسہ ومحو آثارہ فی ظل جلالۃ ملیک البلاد العراقیۃ الملک العربی الہاشمی المعظم صاحب الجلالۃ سیدنا فیصل بن الحسین ادام اللہ بالعز والسعادۃ ایامہ وخلد الملک فیہ وفی عقبہ الی یوم القیامۃ وکان ذالک فی سنۃ سبع واربعین وثلثمائۃ والف من الھجرۃ من لہ العز والشرف من ھجرۃ النبی العربی الہاشمی الکریم صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وصحبہ وسلم۔

یہ مبارک مرقد ایک کمرہ کے اندر ہے جسکی لمبائی چوڑائی بیس فٹ ہے۔ یہ کمرہ ایک عظیم جامع مسجد کی جانب جنوب میں واقع ہے۔ یہاں کا خطیب شیخ عبدالقادر ہے۔ جو ایک متبحر عالم ہے۔ اس محلہ کو اعظمیہ کہتے ہیں۔ اور یہاں احناف کی کثیر تعداد موجود ہے۔ اعظمیہ دریائے دجلہ کے ساحل پر آباد ہے۔ دجلہ دریائے لوٹی سے چوڑائی میں کم ہے۔ دجلہ کے کنارے تفریح گاہیں، ہوٹل، باغات موجود ہیں سنا ہے کہ بطل اسلام شیدائے کتاب وسنت حضرت امام احمد بن حنبلؒ اور مجتہد اعظم حضرت امام محمدؒ کی قبور بھی دجلہ کے کنارے پر ہیں۔ قطب دوران شیخ شبلیؒ اور ابراہیم بن ادہم امام کرخیؒ حضرت سلمان فارسیؓ کے مزارات بھی یہاں سے کچھ فاصلے پر ہیں۔ مگر اب تک وہاں جانیکا موقعہ نہیں ملا۔ کاظمین میں دو دن کے قیام کے بعد یہاں محلہ باب الشیخ میں کرایہ کا ایک مکان مل گیا ہے ماہوار ایک دینار کرایہ ہے۔ یہاں کا ایک دینار پاکستان کے بیس روپے بنتے ہیں۔ صاحب مکان ایک طلبہ اخلاق انسان ہے۔ تراویح کے بعد جب میں اپنے مکان میں چلا گیا جس کمرہ میں میرا قیام ہے، وہاں الماری میں ٹیلیویژن پڑا ہوا ہے۔ اس نے ٹیلیویژن لگایا اور کہا کہ آپ کو یہاں کے مشائخ کی تقریر سناتا ہوں۔ چند سیکنڈ میں یہاں کے ایک مشہور عالم نے رمضان کے فضائل و برکات کا بیان شروع کیا جو سامنے ایسا نظر آتا تھا گویا ہمارے ساتھ مخاطبہ کر رہا ہے۔ اس نے دوران تقریر میں شراب کی مذمت بیان کی اور شرعی

نقطۂ نگاہ سے اسکی قباحت بیان کی۔ پھر اس نے ایک ڈاکٹر سے جو اس کے ساتھ بیٹھا تھا جسمانی، اقتصادی خرابیاں جو شراب سے پیدا ہوتی ہیں دریافت کیں۔ اس نے مدلل طور پر اور انگریز ڈاکٹروں کے حوالے سے شراب نوشی کے مضرات بیان کئے۔ ٹیلیویژن کا یہ منظر اگرچہ تہران میں بھی دیکھا تھا۔ مگر یہاں دیکھ کر خوشی ہوئی کہ اسکے ذریعہ قرآن و حدیث کی کچھ اشاعت ہو رہی ہے۔ کاش! ہمارے پاکستان میں بھی اسے دین کی اشاعت کیلئے استعمال کیا جائے۔۔۔

کل یہاں عصر کی نماز کے بعد ایک مصری عالم نے غزوۂ بدر، فتح مکہ کے حالات کو موثر انداز سے بیان کیا۔ حضرت الشیخ جیلانیؒ کی مسجد میں ہر وقت بہترین قاری اور جید مشائخ تبلیغ کرتے رہتے ہیں جس سے طبیعت بہت متاثر ہوتی رہتی ہے۔ یہاں حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی سب حنفی امام کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں۔ البتہ صبح کے وقت شوافع غلس میں نماز پڑھتے ہیں۔ اور احناف اسفار میں۔ حضرت الشیخ عبدالقادر جیلانیؒ کا مزار صبح اور عشاء کی نماز کے بعد کھلتا ہے۔ ہزاروں لوگ زیارت کیلئے آتے رہتے ہیں۔ مزار کے جال پر اسماء حسنیٰ کے نیچے یہ عبارت درج ہے۔۔

انا من رجال لا یخاف جلیسهم	ربیب الزمان ولا یری ما یرهب
افلت شموس الاولین و شمسنا	ابداً علی افق العلی لا تغرب
علی بابنا قف منه ضیق المناهج	تعز بحق القدر من ذی المعارج
این خوابگه حضرت غوث الثقلین است	نقد کرم حیدر و نسل حسنین است
مادرش حسینی نسب است و پدرا	ز اولاد حسین یعنی کریم الابوین است

یہاں کا ماحول بھی استفادہ کے لحاظ سے بہت اچھا ہے۔ مصر کے مبلغین یہاں موجود ہیں۔ اور مختلف موضوعات پر بعد از نماز عصر و مغرب تقریریں کرتے ہیں۔ یہاں باب الشیخ میں طلبۂ علوم دینیہ کی بھی تربیت گاہ موجود ہے۔ شوق ہے کہ کسی وقت ان کے اسباق سن لوں۔۔۔۔ بغداد کے سنی حضرات بہت خوش خلق، نیک اور دیانتدار ہیں۔ شیعہ لوگ قدرتی طور پر تند خو اور سنگدل ہیں۔ ایران میں دل ہر وقت تنگ رہتا تھا۔ وہاں تو ماسوائے زاہدان کسی بھی شہر میں حنفیوں کی مسجد تک موجود نہیں۔ زاہدان میں ایک بڑی جامع مسجد موجود ہے جس کے خطیب مولانا عبدالعزیز صاحب ہیں۔ تبلیغی جماعت کے دورہ پر پشاور بھی آتے ہیں۔ اور ہمارے دارالعلوم حقانیہ سے آگاہ ہیں۔ بڑے عالم اور مبلغ ہیں۔ ایران کے ساحلی علاقہ پر بلوچ آباد ہیں۔ اور تمام حنفی ہیں جس طرح پاکستان میں بلوچستان ایک وسیع علاقہ ہے۔ اسی طرح ایران میں بھی بلوچستان کا ایک بہت بڑا صوبہ ہے۔ ایران میں کھانے کی چیزیں بہت مہنگی ہیں۔ یہاں عراق میں بہت سستی ہیں۔ وہاں صرف ظاہری صفائی، مکانات کی چمک دمک ہے۔ جہاں بھی جائیں "یا علی" کی آوازیں سنیں گے۔ بس میں سوار ہوں گے تو "یا علی" کے نعرے۔ ریڈیو سے "یا علی"۔ بعض ہوٹلوں میں میں نے خود دیکھا ہے کہ علی کو اوپر لکھا گیا ہے اور اللہ کو نیچے۔

ہم جس بس پر تہران سے آئے اس میں ڈرائیور ہر وقت یہ ریکارڈ لگاتا تھا جس میں یہ شعر بھی تھا۔

علی اوّل علی آخر هو الباطن هو الظاهر	امامت را علی والی نبوت را علی والی

شیعہ با جماعت نماز نہیں پڑھتے ان کے نزدیک امامت حضرت زین العابدینؒ کے بعد ختم ہو گئی ہے۔ اگر کسی شیعہ کو با جماعت نماز پڑھنے کا شوق ہوتا ہے۔ تو وہ کسی بچے کو کرسی پر بٹھا کر اس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتا ہے کیونکہ وہ بچہ معصوم ہے اور معصوم کے پیچھے انکی اقتدا صحیح ہے ـــ ایران کی آبادی دو کروڑ پچاس لاکھ ہے جس میں صرف ۲۰ لاکھ سنی ہیں۔ اور بیس لاکھ میں سے کچھ پارسی، یہودی، آرمین، بہائی، سکھ، گبر و ترسا وغیرہ موجود ہیں۔ باقی دو کروڑ شیعہ ہیں۔ یہاں تصویر پرستی، بت پرستی کا منظر ہر جگہ نمایاں ہے ہر چوک میں کسی نہ کسی بادشاہ یا وزیر کے مجسمے موجود ہیں حضرت آدمؑ اور حواؑ کے فوٹو ہر جگہ بکتے ہیں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم جب طائف میں تشریف لے گئے اور وہاں کے باشندوں نے پتھر برسائے تو اس حالت کے فوٹو بھی ایران کے ہوٹلوں میں آویزاں ہیں۔ ایک فوٹو ایسا بھی دیکھا کہ حضورؐ بیٹھے ہیں۔ ان کے ایک طرف فاطمہؓ اور دوسری طرف حضرت حسنؓ و حسینؓ بیٹھے ہیں۔ اور پیچھے حضرت جبرائیلؑ کھڑے ہیں۔ یہاں دین کی بڑی بے ادبی ہو رہی ہے۔ کتب فروش جو فٹ پاتھ پر ہوتے ہیں قرآن مجید کے نسخے زمین پر رکھتے ہیں۔ یہاں معتبر ذرائع سے یہ بات معلوم ہوئی کہ ایک دفعہ یہاں ایک شیعہ کی آخری حالت تھی۔ اور اس کے احباب و اقارب اس کی چارپائی کے اردگرد بیٹھے تھے۔ ہر ایک اس قریب الموت کو کہتا آغا علی بگو۔ آغا علی بگو۔ تا جان بآسانی بر آید۔

انکی اذان بھی انوکھی قسم کی ہے۔ اذان دیتے وقت ایک ہاتھ کان پر اور ایک ہاتھ میں سگریٹ ـــ جب ایک کلمہ پڑھ لیتے ہیں تو سگریٹ کا کش لگاتے ہیں۔ اور اگر کوئی دوست آجائے تو موذن کو دوران اذان میں کہتا ہے۔ آغا حال شما خوب است۔ موذن جواب دیتا ہے۔ خیلے ممنون میرسی۔

میرسی غالباً فرانسیسی لفظ ہے جو ایران میں بہت رائج ہے۔ مشہد میں مشہور مزار حضرت امام رضا رحمۃ اللہ علیہ پر اگر کوئی آئے تو وہاں کئی مزدور کھڑے ہوتے ہیں۔ اور ہر ایک زائر کو کہتے ہیں۔ کہ میں آپ کو سلام پڑھاؤں گا۔ خاص کلمات ہیں جو انہوں نے یاد کئے ہوتے ہیں۔ ہم کو بھی کہا مگر ہم نے انکار کیا۔ وہ کہنے لگا کہ تمہارا اسلام درست نہیں۔ صرف چند ٹکوں کی خاطر وہ بہت غصہ ہوا۔

ایک سنی مشہد کے مزار میں گیا تو ایک شیعہ سلام خوان نے اس سے نام دریافت کیا۔ اس نے کہا میرا نام محمد اشرف ہے۔ وہ دلال بہت غصہ ہوا اور کہا کہ جو نام میں بتاؤں وہ رکھنا کہا غلام علی نام رکھ دو۔ محمد اشرف نے کہا۔ نہیں۔ پھر کہا غلام حسین، غلام حسن، غلام رضا۔ محمد اشرف نے کہا کہ محمد اشرف نام پر مجھے فخر ہے۔ عام لوگ ایران کی بہت تعریفیں کرتے ہیں۔ وہ بے چارے یہاں کی ظاہری دلفریبیوں کے شکار ہو جاتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ یہاں پاکستانیوں کو عزت کی نگاہ سے دیکھا جا سکتا ہے۔ مگر جب کوئی پاکستانی وضو کرے یا نماز پڑھے تو پھر ہنستے ہیں۔ میر جاوہ جو ایران کی سرحد ہے۔ وہاں روزہ داروں کا جبراً روزہ تڑوایا جاتا ہے۔ مجھے بھی وہاں کے ڈاکٹر نے کہا کہ یہ گولیاں کھاؤ۔ میں نے کہا روزہ ہے۔ کہنے لگا۔ آپ کو یہ دوائی کھانی ہوگی۔ ورنہ شام تک یہاں بیٹھے رہو گے۔ میں نے کہا بہت اچھا ـــ زاہدان آکر معلوم ہوا۔ کہ بہت سے حاجیوں کے روزے وہاں تڑوائے گئے ہیں۔

سبزوار کے ایک ہوٹل میں ایک شیعہ نے ہم سے پوچھا کہ شما مسلمان ہستید یا شیعہ۔ میں نے جواب دیا کہ شیعہ نزد شما مسلمان نیستید ۔؟ وہ خاموش ہوگیا۔ پھر اس آدمی نے کچھ دیر بعد پوچھا کہ شما لعنت بر عمرؓ می فرستید۔ (العیاذ باللہ) ہم نے کہا اگر عمرؓ (حاکم بدھن) مستحق لعنت بودے حضرت علی کرم اللہ وجہہ دختر خود ام کلثومؓ را در عقد وے چرا داد۔ یعنی اگر حضرت عمرؓ لعنت کے مستحق ہوتے تو حضرت علیؓ اپنی بیٹی ام کلثوم کو انکے عقد میں کیوں دیتے۔

مشہد۔ شیراز۔ کرمان۔ اھواز۔ آبادان۔ تبریز۔ تہران۔ قم۔ ہمدان۔ کرمان شاہ۔ اصفہان جسکو نصف جہان کہتے ہیں دیکھنے کے قابل شہر ہیں۔ ہم نے تو صرف سرسری نگاہ سے بعض شہر دیکھے۔ پورے طور پر دیکھنے کا موقع نہیں ملا۔ سب سے زیادہ خوبصورت شہر تہران ہے۔ صاف ستھری سڑکیں۔ کشادہ راستے۔ ہوٹلوں میں مکمل صفائی۔ آرام دہ بسیں۔ سستے کرایہ پر چلنے والی بہترین کاریں۔ قابل تعریف ہیں۔ یہاں کا یہ امر بھی قابل تقلید ہے کہ ایرانیوں کے حقوق بہت محفوظ ہیں حالانکہ یہاں شہنشاہیت ہے۔ مگر ایک چپڑاسی کو بھی اپنے حقوق کے مطالبہ کا حق حاصل ہے۔ پولیس کا بڑے سے بڑا افسر کسی ٹیکسی والے کو جبراً اپنی بیگار میں نہیں رکھ سکتا۔ ٹریفک کا انتظام بہت شاندار ہے۔ یہاں "دست راست برو" کا معاملہ ہے۔ دائیں طرف سے ٹریفک ہے۔ اور عراق میں بھی دائیں طرف کی ٹریفک ہے۔

آج اتفاقاً یہاں کے مدرسہ القادریہ باب الشیخ کے دیکھنے کیلئے گیا۔ عربی طلبہ سے بات چیت ہوئی ان سے معلوم ہوا کہ یہاں دو پاکستانی طلبہ ہیں۔ وہاں جاکر ان سے ملاقات کی۔ اس کمرے میں جامعہ ازھر کا ایک فاضل بھی بیٹھا تھا۔ اس فاضل نے مجھ سے اردو میں پوچھا کہ آپ کہاں کے باشندے ہیں۔ میں نے کہا پشاور کے ضلع میں اکوڑہ خٹک ایک گاؤں ہے۔ وہاں کا رہنے والا ہوں۔ اور وہاں ایک مذہبی ادارہ ہے اس کا ایک ادنیٰ مدرس ہوں۔ اس نے کہا آپ کا نام شیر علی شاہ تو نہیں۔؟ میں نے کہا آپ کو کیسے معلوم ہوا۔؟ اس نے کہا میں نے آپ سے کافیہ پڑھا ہے۔ اور دار العلوم حقانیہ میں ایک سال استفادہ کر چکا ہوں۔ خوشی اس بات پر ہوئی کہ وہ جامعہ ازھر سے فارغ ہوا ہے۔ اور بحمد اللہ مسنون داڑھی سے اس کا چہرہ مزین ہے۔ یہ فاضل محمد لقمان ہزارہ کا باشندہ ہے۔ اور وہاں اس کا نام کچھ اور تھا بعد میں تبدیل کیا ہے۔ اب یہاں عراق یونیورسٹی میں اسکو داخلہ کی اجازت دیدی گئی ہے۔ پاکستانی طلبہ نے کہا کہ آؤ ہم آپ کو اپنے ایک بزرگ سے ملاقات کرائیں چنانچہ اس کے ساتھ ایک کمرہ میں داخل ہوئے۔ دیکھا ایک معمر عالم ایک طالب العلم کو سیرۃ کی کتاب پڑھا رہا ہے۔ اس نے درس بند کیا۔ ہم نے کہا نہیں اپنا سبق پورا فرمائیں۔ وہ ان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کا واقعہ بیان کر رہے تھے۔ اور ناقہ کے اٹھنے بیٹھنے کا۔ اور مدینہ منورہ کی بچیوں اور بچوں کے استقبال کے اشعار تفصیل سے بیان کیے۔ درس سے فارغ ہونے کے بعد انہوں نے بتایا کہ یہ ہمارا استاد ہے آپ سے ملنے کیلئے آیا ہے۔ کہا میں خود علماء کی زیارت کا مشتاق ہوں۔ اور پھر فرمایا کہ زیارت اموات سے غرض موت کو یاد کرنا ہے۔ اور زیارت صلحاء اور علماء سے

اپنے آپ کو روحانیت میں رنگنا ہے۔ میں نے ان سے کہا کہ مدت سے بغداد دیکھنے کی تمنا تھی۔ وہ خداوند قدوس نے پوری فرمائی۔ فرمایا ہاں انسان کے مختلف اوقات میں مختلف تمنائیں ہوتی ہیں۔ اور تبدل اطوار سے مستمنیات بدلتے رہتے ہیں۔ پہلے کسی عالم کی زیارت کی تمنا ہوتی ہے۔ پھر آہستہ آہستہ کسی عالم ربانی کی دید کی تمنا ہوتی ہے۔ اور آخر جا کر یہ تمنا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی دید اور اللہ تعالیٰ کے دیدار حاصل ہونے سے ختم ہوگی۔ آخر کے اس فاضل نے پوچھا کہ قبروں سے مرادیں مانگنا۔ ولی کو حاضر ناظر سمجھنا کیسا ہے۔ اس نے فرمایا غلط ہے کفر ہے۔ لاخالق الا اللہ[۴] ۔۔۔۔ اور فرمایا کہ ہم حضور کو جو افضل خلق اللہ ہیں قاضی الحاجات اور حاضر ناظر نہیں مانتے اوروں کو کیسے مانیں۔ اور پھر فرمایا بعض لوگ تصوف کے منکر ہیں۔ مگر ہم تو وسط طریق پر ہیں۔ ہم بزرگوں کی کرامات مانتے ہیں۔ اور اس پر قرآن اور احادیث سے استشہادات بیان کئے پھر طریقت کے فوائد بیان کئے۔ میں نے کہا دارالعلوم دیوبند کے ایک بہت بڑے عالم ربانی اور قطب دوران مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سے کسی نے پوچھا ۔۔ ما الفرق بین الشریعۃ والطریقۃ[۵] ۔۔۔ تو انہوں نے جواب دیا بینما نسبۃ المخدومیۃ والخادمیۃ[۶] یہ سن کر بہت خوش ہوئے۔ پھر مجھ سے پوچھا کہ مشغلہ کیا ہے۔ میں نے کہا از علم دین کا ایک خادم اور دارالعلوم حقانیہ میں معمولی مدرس ہوں۔ پھر دارالعلوم حقانیہ کے احوال وکوائف طلبہ کی تعداد۔ طرز تعلیم۔ مسلک۔ تاریخ تاسیس اور سالانہ مصارف کا پوچھا اور کہا کہ آمدنی کہاں سے ہے۔ میں نے کہا کہ پاکستان کے مسلمان حسب استطاعت اعانت کرتے ہیں۔ بہت خوش ہوئے۔ اور فرمایا کہ عوام کی خوش قسمتی ہے کہ ان کی کمائی صحیح مصرف میں خرچ ہو رہی ہے۔ میں نے پھر ان سے کہا کہ دارالعلوم حقانیہ کے بانی اور مدیر خود ایک عالم ربانی ہیں اور علماء ربانیین سے بڑی محبت رکھتے ہیں۔ آپ دارالعلوم حقانیہ اور اسکے بانی مولانا عبدالحق صاحب و اراکین و اساتذہ و طلبہ و معاونین کیلئے دعائیں فرمائیں۔

چنانچہ اس وقت درود اور فاتحہ پڑھ کر جامع مانع دعا فرمائی اور حضرت قبلہ شیخ الحدیث صاحب کا اسم گرامی لیا اور کہا کہ اللہ تعالیٰ ان کی حیات طیبہ کو اشاعت دین میں صرف فرماوے اور دینی عزائم میں کامیابی بخشے ۔۔۔

فرمانے لگے کہ اس دور میں علماء حقانی کا وجود مغتنمات میں سے ہے۔ پھر میں نے ان سے حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے روضہ کے بارہ میں پوچھا کہ کہاں پر ہے تو شیخ عبدالکریم الکردی مدظلہ نے المناک لہجہ میں جواب دیا کہ سنہ ۱۳۵۵ھ میں میں اپنے استاد کے ہمراہ انکی زیارت کرنے کیلئے گیا تو ان کا روضہ دریائے دجلہ کے کنارے پر بہت بوسیدہ اور شکستہ حالت میں تھا۔ انہوں نے وہاں کے لوگوں سے کہا کہ یا تو اسکے نیچے مضبوط دیوار اٹھائیں یا اسے کسی دوسری محفوظ جگہ منتقل کر دیں۔ مگر کسی نے اس طرف توجہ نہ کی اور افسوس وحسرت ہے کہ دجلہ میں سیلاب آنے کی وجہ سے ان کا روضہ دریا میں بہہ گیا ۔۔ اور پھر فرمایا کہ یہ وہ شیخ تھے جن کے بارہ میں امام شافعیؒ جب یہاں سے جا رہے تھے تو فرمایا تھا ۔۔ ما ترکت فی بغداد افقہ من احمد بن حنبلؒ[۷] ۔۔۔ مزید انہوں نے بتایا کہ حذیفہ بن

صاحب اسرار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم[1] کا روضہ بھی ان کے قریب تھا۔ مگر جب حکومت کو امام احمد بن حنبل[5] کے روضہ کے بہہ جانے کا علم ہوا تو حضرت حذیفہ[6] کا مزار یہاں سے اٹھا کر حضرت سلمان فارسی[7] کے روضہ کے قریب ان کو لایا گیا۔ جو یہاں سے تقریباً ایک گھنٹہ کے سفر پر دور ہے۔ یہاں بغداد میں مؤلف قدوری صاحب روح المعانی۔ شیخ شبلی[2]۔ شیخ جنید بغدادی[2]۔ معروف کرخی[2]۔ امام زین العابدین کے چار صاحبزادوں کے مزارات ہیں۔ ابراہیم بن ادہم کا روضہ بھی یہاں ہے۔ یہاں سے کربلا۔ نجف کو بس میں ایک روپیہ خرچ ہوتا ہے۔ کوفہ بھی قریب ہے۔ بصرہ تک موٹر میں چھ گھنٹے کا راستہ ہے۔ علماء کرام اور مشائخ بغداد سے ابھی تک ملاقات نہیں ہوئی۔ شیخ کردی مدظلہٗ ایک بہت بڑے بزرگ اور علوم ظاہرہ، باطنیہ کے عالم ہیں۔ منطق و فلسفہ میں خاص مہارت رکھتے ہیں۔ رخصت ہوتے وقت انہوں نے فرمایا کہ آپ سے کسی وقت تفصیلی باتیں کروں گا۔ میں کہا یہ تو میری سعادت ہوگی۔ اور اس راستہ سے سفر کرنے کا ثمرہ ہوگا۔

اب عشاء کی اذان ہو رہی ہے۔ ستائیسواں روزہ ہے۔ یہاں روزہ منگل کا تھا۔ سندھی لوگوں کے ہجوم در ہجوم آ رہے ہیں۔ ہر سندھی کے ساتھ دو عورتیں اور پانچ پانچ چھ چھ بچے ہوتے ہیں۔ یہاں آکر بھیک مانگتے ہیں۔ اسی طرح شیعہ لوگ گلگت وغیرہ سے آکر یہاں بھیک مانگتے ہیں۔ جو پاکستان کے لئے بدنامی کا باعث ہے۔ ان کی وجہ سے دیگر حاجیوں کو سخت پریشانیاں درپیش ہیں۔ سفارت خانے چلے جائیں تو سندھیوں کی لائنیں لگی ہوتی ہیں ———

فقط والسلام

سید علی شاہ عفی عنہ

---

[1] ترجمہ:۔ بیشک اللہ تعالیٰ سے علماء ہی ڈرتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء کی مانند ہیں۔ اور فرمایا کہ اگر علم ثریا ستارہ پر ہو تو میری امت میں فارس کے بعض لوگ اسے حاصل کر کے رہیں گے (اس میں حضرت امام اعظم کی بشارت فرمائی) یہ امام اعظم[2] اور برگزیدہ مجتہد ابو حنیفہ[2] نعمان بن ثابت کوفی کا مزار ہے۔ جنکی ولادت ۸۰ھ اور وفات ۱۵۰ھ میں ہوئی ——— (اشعار کے بعد) اس عمارت کے کام کی تجدید ۱۳۲۷ھ میں شاہ فیصل بن حسین کی حکومت میں کی گئی۔"

[2] کوئی پیدا کرنے والا سوائے خدا کے نہیں۔

[3] شریعت اور طریقت میں کیا فرق ہے۔

[4] ان میں ایک خادم دوسرا مخدوم ہے۔

[5] میں نے بغداد میں امام احمد سے زیادہ فقیہ نہیں دیکھا۔

[6] حضور کے رازدان صحابی۔